معارف اسلامیہ کا ترجمان

سہ ماہی

صدائے ثقلین

لندن

مجمع اہل بیتؑ برطانیہ

اپریل تا جون 2015ء | 24 | جلد 6 | شمارہ 4

نظارت

حجۃ الاسلام والمسلمین ڈاکٹر محمد علی شمالی

مدیر

جعفر علی نجم

مجلس تحریر

حجۃ الاسلام مولانا محمد حسن معروفی (لندن)

حجۃ الاسلام مولانا سید علی رضا رضوی (لندن)

حجۃ الاسلام مولانا سید فدا حسین بخاری (مانچسٹر)

حجۃ الاسلام مولانا غلام حسین عدیل (مانچسٹر)

ادارہ کا مقالہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

خط و کتابت کیلئے

Ahlul Bayt Assembly of UK ®

In Association with

Islamic Center of England

140 Maida Vale, London, W9 1QB, UK

Web: www.ic-el.com

Email: saqalainurdu@live.co.uk

فہرست

مضامین	مقالہ نگار	صفحہ
سخن مدیر	جعفر علی نجم	3
مہدویت ریسرچ سینٹر کے محققین و مؤلفین سے رہبر معظم کا خطاب	حضرت آیت اللہ العظمیٰ سیّد علی خامنہ ای مدظلہ	5
یورپ اور شمالی امریکہ کے جوانوں کے نام رہبر معظم کا پیغام	حضرت آیت اللہ العظمیٰ سیّد علی خامنہ ای مدظلہ	14
عراق کے فوجی رضا کاروں کیلئے نصیحتیں اور راہنما اصول	حضرت آیت اللہ العظمیٰ سیّد علی سیستانی مدظلہ	17
دُعائے جوشن کبیر پر ایک نظر	حجۃ الاسلام والمسلمین ڈاکٹر محمد علی شمالی	37
شیعہ اسلامی عقائد	علامہ سیّد محمد حسین طباطبائیؒ	51
ماں، اُمّ البنین ؑ جیسی	حجۃ الاسلام مولانا سیّد شمشاد حسین رضوی	61
زیارت قبور مومنین و آئمہ اطہارؑ	حجۃ الاسلام مولانا سیّد فدا حسین بخاری	67
نظریہ انتظار اور ہماری ذمہ داریاں	حجۃ الاسلام مولانا غلام حسین عدیل	74
مقصودِ کعبہ	علامہ سیّد علی نقی نقوی (نقن)	81
علوم اہلبیتؑ کے سرچشمے	آیت اللہ محمد محمدی ری شہری	92
شرحِ چہل حدیث	آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ	112
تیسری شعبان	ڈاکٹر پیام اعظمی	128

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سخن مدیر

پردۂ غیب سے چمکا رخِ تاباں کس کا!
جلوہ ریزی پہ ہے یہ حسنِ درخشاں کس کا
کس کی آمد کی گنی جاتی ہیں گھڑیاں پیہم
منتظر بیٹھا ہے ہر صاحبِ ایماں کس کا
(شمیم الحسنؔ)

قارئین کرام! الحمد للہ، سہ ماہی ثقلین کا ایک نیا شمارہ آپ کی خدمت میں آنلائن حاضر ہے۔ آج جب کہ دنیا میں حالات تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں اور امت مسلمہ اور خاص طور پر اہل بیتؑ کے محبوں کیلئے حالات روز بروز سخت سے سخت تر ہوتے جا رہے ہیں، تمام مسلمانوں کی ذمہ داری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اب گروہی اختلاف اور اندرونی مذہبی خلفشار کا وقت نہیں رہا، بلکہ اب امت واحدہ ہو کر اس بات کو ثابت کرنا ہے کہ ہم سب مسلمان ایک ہو کر اسلام دشمن طاقتوں کے سامنے کھڑے ہیں۔

آج اسلام اور اس دین حنیف کو ہر طرف سے دشمنوں نے گھیر لیا ہے اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑانے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ تکفیری عناصر کو تقویت پہنچا کر مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیا گیا ہے، لہٰذا ہماری انسانی، دینی اور اخلاقی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم کسی طرح سے بھی دشمن کی تفرقہ ڈالنے کی سازش اور سیاست کا حصہ نہ بنیں، بلکہ اسلام کے وسیع تر مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے دشمن کی سازش کو خود بھی ناکام بنائیں اور دوسروں کو بھی اس سے آگاہ کریں۔ اس سلسلہ میں امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے فرامین سے نہایت مؤثر طور پر استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

اس رسالہ کے آنلائن ہونے کے بعد بھی بعض قارئین کرام کی جانب سے حوصلہ افزائی پر شکر گزار ہیں۔ امید ہے کہ ہم اس رسالہ کو آنلائن ویب سائٹ کے ذریعہ دنیا بھر کے قارئین کی خدمت میں پہنچا سکیں۔ آپ سے بھی استدعا ہے کہ اس سلسلہ میں آپ بھی ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں گے اور دیگر علم دوست احباب کو اس کی اطلاع دے کر ان کو بھی اس رسالے سے استفادہ کرنے کی طرف متوجہ کریں گے۔

ہم جناب مولانا سیّد ریاض حسین صفوی صاحب کے بھی ممنون ہیں کہ جن کی محنت اور جانفشانی سے یہ رسالہ تدوین کے مختلف مراحل سے گزر کر آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔

ہمیشہ کی طرح ہمیں قارئین محترم اور علمائے کرام اور خاص طور پر آنلائن قارئین کے مفید اور قیمتی مشوروں نیز آراء وتجاویز کا انتظار رہے گا۔ شکریہ!

والسلام

جعفر علی نجم

(30/مارچ 2015ء)

*****

مہدویت ریسرچ سینٹر کے محققین، اساتذہ اور مؤلفین سے

رہبر معظم حضرت آیت اللہ العظمیٰ سیّد علی خامنہ ای مدظلہ العالی

کا خطاب[1]

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سب سے پہلے تو میں شکریہ ادا کرتا ہوں تمام بھائیوں اور بہنوں کا جو مختلف اہم شعبوں میں مصروف کار ہیں اور محنت کر رہے ہیں، خواہ نماز کی ترویج کے شعبے میں، خواہ زکوٰۃ، تفسیر اور مہدویت (مہدیؑ شناسی) کے شعبوں میں، خواہ ان دیگر شعبوں میں جو جناب محسن قرائتی نے بیان کئے اور حق وانصاف یہی ہے کہ ان شعبوں میں کام ایک حقیقی انفاق وخیرات اور اللہ کی بارگاہ میں صدقۂ مقبولہ ہے، انشاء اللہ۔ ہم سب کا شکریہ ادا کرتے ہیں تاہم جناب قرائتی کا شکریہ ادا کرنا لازمی ہے، شکریہ تو ہم ادا نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ کام، خدا کا کام ہے، خدا کیلئے ہے، ان شاء اللہ کہ خداوند متعال ہی ان کا اور ان کے رفقائے کار کا شکریہ ادا کرے گا، لیکن ہمیں قدردانی کرنی چاہیے۔

میں یہ چند جملے اپنے بھائیوں اور بہنوں کی خدمت میں عرض کرتا چلوں:

جناب آقای قرائتی بذات خود ایک بہت ہی اچھا اور سبق آموز نمونہ اور آئیڈیل ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جن کاموں کی ذمہ داری انہوں نے سنبھالی اور انہیں سرانجام دیا وہ سب ایسے کام تھے جن پر ابھی تک کوئی کام نہیں ہوا تھا اور انہیں انجام پانا چاہیے تھا اور انہوں نے یہ خالی جگہیں پر کر دیں، ان کے ان کاموں کی قدر و قیمت بہت زیادہ ہے۔

بعض کام اچھے ہوتے ہیں لیکن دوبارہ سہ بارہ انجام دیئے جاتے ہیں (تکراری ہوتے ہیں)۔ اگر کوئی ضروریات کو پہچانے اور خلاؤں کو ڈھونڈ نکالے اور ہمت واہتمام کر کے ان خلاؤں اور خالی جگہوں

---

[1] یہ خطاب 09 جولائی 2011ء کو تہران میں کیا گیا۔ (بشکریہ از: www.leader.ir)

کو پر کرے، تو اس کی اہمیت دوگنا ہوتی ہے۔ جناب قرائتی نے اس طرح عمل کیا ہے۔ نماز کے مسئلے میں بھی۔ نماز اتنی عظمت کے باوجود، اتنی اہمیت کے باوجود، رکن دین، انسان کے تمام اعمال کی قبولیت کا سبب و بنیاد، اگر معاشرے میں اس کو اہمیت نہ دی جائے اور اس کو ضرورت کے مطابق توجہ نہ دی جائے، یہ ایک بہت بڑا خلا ہے، انہوں نے اس خلا کی طرف توجہ دی۔ زکوٰۃ کا مسئلہ بھی، جو حقیقتاً ہمارے معاشرے میں بے اعتنائی کا شکار تھا اور یہی معاشرتی بے اعتنائی ایک کمزور نقطہ تھا، ایک نقص تھا، انہوں نے ہمت کی، میدان عمل میں اترے، ہر جگہ حاضر ہوئے، ہر مقام پر بات کی، سب سے اصرار کیا، تھکاوٹ کی پرواہ نہیں کی، تاکہ یہ مسئلہ سب کیلئے حل ہوجائے۔ تفسیر کا مسئلہ بھی ایسا ہے، مہدویت کا مسئلہ بھی اور دیگر امور بھی ایسے ہی ہیں جن کو جناب قرائتی نے سنبھالا ہے۔ یہ ایک نکتہ ہے ہمارے عزیز اور محترم آقائے قرائتی کے کاموں میں۔

دوسرا نکتہ جس کی اہمیت پہلے نکتے سے کہیں بڑھ کر ہے، ان کا خلوص ہے۔ یہی صفا و خلوص ہی ان کی کامیابیوں کا سبب ہے۔ خدائے متعال خالص نیتوں کا ساتھ دیتا ہے۔ خلوص نیت ان کاموں کی پیشرفت میں عجیب اثر رکھتا ہے جو اس نیت سے شروع ہوتے ہیں۔ یہ بھی ایک بہت اہم نکتہ ہے۔

میں نے یہ اس لئے عرض نہیں کیا کہ اب ہم کسی کی قدردانی کریں اور کسی کو خراج تحسین پیش کریں اور کسی کو بڑا بنا کر پیش کریں۔ ان چیزوں کی نہ تو آقائے قرائتی کو ضرورت ہے اور نہ ہی وہ ان چیزوں کی توقع رکھتے ہیں اور نہ ہی ہم ان چیزوں کے درپے ہوتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ کام کی یہ کیفیت ہمارے لئے، ہم سب کیلئے، خاص طور پر ہم طلبہ کیلئے نمونہ عمل قرار پائے۔ یعنی ہم اسی طرح عمل کریں، نہ یہ کہ ہم بھی یہی کام کریں، بلکہ اس طرح کام کریں کہ خلاؤں اور خالی جگہوں کا سراغ لگائیں، ایسی چیزوں کو ڈھونڈیں جن کی ہمیں ضرورت ہے۔ ہر کسی کا اپنا ذوق ہے، ہر کسی کی اپنی استعداد ہے، ظرفیت و صلاحیت ہے، ان ظرفیتوں سے استفادہ ہونا چاہیے، یہ پہلی بات۔

دوسری بات یہ ہے کہ کام کو دوام بخشیں اور اس کا پیچھا نہ چھوڑیں۔ میں یہیں پر جناب قرائتی اور ان کے رفقائے کار سے چاہتا ہوں کہ جو کام انہوں نے شروع کئے ہیں، انہیں کسی طور پر بھی ادھورا نہ

چھوڑیں۔ان کاموں کو جاری رکھنا چاہیے،ان کا تسلسل جاری رہنا چاہیے۔ایسا نہ ہو کہ ہم کوئی کام شروع کریں اور جب بھی اس کی برکتیں اور ثمرات ظاہر ہونا شروع ہو جائیں،خوشیاں منائیں،خدا کا شکر بھی کریں،لیکن ساتھ عدم ضرورت اور بے نیازی بھی محسوس ہو،نہیں، اس کام کو جاری رکھنا چاہیے۔ ہمیں امید ہے کہ ان شاءاللہ خداوندان کی اور آپ سب بہنوں اور بھائیوں کی مدد فرمائے،طول عمر عنایت فرمائے،سلامتی عنایت فرمائے تا کہ اپنے کاموں کو انجام تک پہنچا سکیں۔یہ سب بہت اہم ہے۔

عقیدۂ مہدویت

مہدویت کا مسئلہ ان دنوں جو نصف شعبان اور عظیم اسلامی بلکہ انسانی عید کی آمد آمد ہے،ان ایام سے زیادہ تناسب رکھتا ہے۔ اتنا ہی عرض کروں کہ مہدویت کا مسئلہ اعلیٰ دینی معارف کے حلقے اور دورانیے میں چند اہم بنیادی مسائل میں سے ایک ہے۔مثلاً مسئلہ نبوت کی طرح،مسئلہ مہدویت کی اہمیت کو اسی حد میں قرار دینا چاہئے،کیوں؟ کیونکہ وہ چیز جس کی بشارت مہدویت سے ملتی ہے،وہی چیز ہے جس کی خاطر تمام انبیائے عظام علیہم السلام کی بعثت ہوئی اور تمام انبیائے الٰہی علیہم السلام تشریف آئے اور وہ بشارت ایک توحیدی دنیا کا قیام ہے جو عدل کی بنیادوں پر استوار ہو اور اس میں ان تمام صلاحیتوں اور توانائیوں کو بروئے کار لانا ممکن ہو جو خداوند متعال نے انسان کے وجود میں ودیعت رکھی ہیں۔ایک ایسا زمانہ ہے حضرت مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کا زمانہ۔توحیدی معاشرے کا زمانہ ہے۔توحید کی حاکمیت کا زمانہ ہے۔انسانوں کی زندگی کے تمام شعبوں پر معنویت اور دین کی حقیقی حاکمیت کا زمانہ ہے اور حقیقی معنوں میں عدل کے قیام کا زمانہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام اسی کیلئے آئے۔ ہم نے بار بار عرض کیا ہے کہ وہ تمام قدم جو بنی نوع انسان نے کئی صدیوں کے دوران انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے سائے میں اٹھائے ہیں،اس عریض اور چوڑی اور پکی شاہراہ کی طرف جا رہے ہیں جو حضرت مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے دور میں بلند اہداف کی طرف تعمیر کی گئی ہے جس پر بنی نوع انسان گامزن ہوگا۔جس طرح کہ انسانوں کی ایک جماعت پہاڑیوں اور گھاٹیوں،دشوار گزار راستوں اور دلدلوں سے بھری وادیوں اور کانٹے دار راستوں سے بعض افراد کی

راہنمائی میں چل رہے ہیں اور مرکزی شاہراہ تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ جب وہ مرکزی شاہراہ تک پہنچتے ہیں، تو مزید راستہ کھلا ہے، صراط مستقیم واضح اور روشن ہے، اس پر چلنا آسان ہے، آسانی سے اس راستے پر قدم اٹھاتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ جب وہ مرکزی سڑک تک پہنچیں تو وہیں ٹھہر جائیں گے، اس کے بعد درحقیقت بلند الٰہی اہداف کی طرف حرکت کا آغاز ہوتا ہے، کیونکہ انسان کی قابلیتیں لامتناہی اور نہ ختم ہونے والی ہیں۔ گزشتہ تمام صدیوں کے دوران انسان ٹیڑھے راستوں، بھول بھلیوں، دشوار، مشکل اور سخت راستوں سے گزرتے ہوئے مختلف النوع رکاوٹوں سے ٹکرا ٹکرا کر، رنجور جسم، مجروح اور زخم آلود پیروں سے ان راستوں کے بیچ قدم اٹھاتا رہا ہے تاکہ مرکزی شاہراہ تک پہنچ سکے۔ یہ مرکزی شاہراہ زمانہ ظہور ہی ہے کہ اصولی طور پر ایک لحاظ سے بنی نوع انسان کی حرکت وہیں سے شروع ہوتی ہے۔

اگر مہدویت نہ ہوتو اس کا مفہوم یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تمام کوششیں، تمام دعوتیں، تمام بعثتیں، جان و روح کو تھکا دینے والی زحمتیں، یہ سب بے سود ہوں اور رائیگاں جائیں اور بے اثر رہیں۔ پس مہدویت کا مسئلہ ایک اصلی اور بنیادی مسئلہ ہے۔ اصلی ترین الٰہی معارف میں سے ایک ہے۔ اس لئے تقریباً تمام الٰہی ادیان میں بھی جہاں تک ہمیں معلوم ہے، ایک چیز موجود ہے جس کا حقیقی مفہوم مہدویت ہی ہے۔ تاہم ان ادیان میں یہ مفہوم تحریف کا شکار ہوا ہے، اس کی شکلیں مبہم ہیں، جو صحیح طور پر روشن نہیں ہیں اور معلوم نہیں ہے کہ وہ کہنا کیا چاہتے ہیں۔

عقیدۂ مہدویت اسلام میں بھی مُسلّمات میں سے ہے۔ یعنی یہ مسئلہ شیعہ کیلئے مخصوص نہیں ہے۔ تمام اسلامی مذاہب اس حقیقت کو قبول کرتے ہیں کہ دنیا کی انتہا پر حضرت مہدی علیہ السلام کے ہاتھوں حق وعدل کی حکومت قائم ہوگی۔ مختلف ذرائع اور طُرق سے متعدد معتبر روایات مختلف مذاہب کے منابع و مآخذ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں، لہٰذا اس میں کسی شک و تردید کی گنجائش نہیں ہے۔ تاہم شیعہ مذہب کا امتیاز اس حقیقت میں ہے کہ یہاں مہدویت کا مسئلہ ایک مبہم مسئلہ نہیں ہے، ایک پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے جو بنی نوع انسان کیلئے ناقابل فہم ہو، بلکہ ایک واضح اور روشن مسئلہ ہے، اس کا واضح مصداق موجود ہے اور ہم آپؑ کو پہچانتے ہیں، ان کی خصوصیات سے واقف ہیں، ان کے آباء واجداد کو پہچانتے

ہیں، ان کے خاندان کو جانتے ہیں، ان کی ولادت کو جانتے ہیں اور ان کی ولادت کی تفصیلات سے باخبر ہیں۔ اس تعارف میں بھی صرف شیعہ روایات میدان میں نہیں آتیں بلکہ غیر شیعہ منابع سے بھی روایات موجود ہیں اور یہی روایات اس تعارف کو ہمارے لئے آسان اور روشن کر دیتی ہیں اور دوسرے مذاہب کے علماء اور پیروکاروں کو بھی توجہ دینی چاہیے اور غور کرنا چاہیے تا کہ اس روشن حقیقت کا ادراک کر سکیں۔ لہٰذا اس مسئلے کی اہمیت کی سطح اتنی بلند ہے اور ہم پر دوسروں سے کہیں زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس مسئلے کی طرف توجہ دیں اور اس پر بحث کریں اور اس مسئلے پر گہرا اور مضبوط و مدلل کام انجام دیا جائے۔

انتظار کا مسئلہ

''انتظار'' کے مسئلہ کا بھی مہدویت کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ فہمِ دین اور اسلام کے اعلیٰ اہداف کی جانب اسلامی امت کی بنیادی، سماجی اور عمومی تحریک کی شناخت و ادراک کی کلیدی اصطلاحات میں سے ہے۔ ''انتظار'' یعنی خواہش و رجحان یعنی تاک میں رہنا ایسی حقیقت کے، جو قطعی اور حتمی ہے۔ یہ انتظار کے معنی ہیں۔ انتظار یعنی ایک قطعی اور حتمی مستقبل، بالخصوص ایک حی و حاضر موجود کا انتظار۔ یہ بہت اہم مسئلہ ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ کوئی کہہ دے کہ ''کسی کی ولادت ہوگی، کوئی معرض وجود میں آئے گا''۔ نہیں، ایک ایسے امامؑ ہیں جو موجود ہیں، حاضر ہیں، لوگوں کے بیچ رہتے ہیں۔ روایت میں ہے کہ لوگ امام زمانہ علیہ السلام کو دیکھتے ہیں لیکن انہیں نہیں پہچانتے۔ بعض روایات میں آپ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے تشبیہ دی گئی ہے کہ بھائی انہیں دیکھ رہے تھے، وہ بھائیوں کے درمیان تھے، ان کے ساتھ تھے، ان ہی کے فرش پر چلتے تھے، لیکن وہ انہیں پہچان نہیں رہے تھے۔ ایک ایسی روشن حقیقت جو واضح بھی ہے اور محرک بھی ہے انتظار کی مدد کرتی ہے۔

بنی نوع انسان کو اس انتظار کی ضرورت ہے۔ امت اسلامی کو اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ یہ انتظار انسان پر ذمہ داریاں عائد کرتا ہے۔ جب انسان کو یقین ہو کہ ایسا مستقبل سامنے ہے، جس کے بارے

میں قرآن مجید میں آیا ہے کہ: ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ ۝﴾[1]: (اور بلاشبہ ہم نے زبور میں ذکر کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث صرف میرے نیکوکار بندے ہوں گے۔ بیشک اس (قرآن) میں عبادت گزاروں کیلئے (حصولِ مقصد کی) کفایت وضمانت ہے)۔ جولوگ خدا کی بندگی کرنے والے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں تیاری کرلینی چاہیے، انہیں منتظر رہنا چاہیے اور اس کی تاک میں رہنا چاہیے۔

انتظار کا لازمہ ''خود کو تیار اور آمادہ رکھنا'' ہے۔ سمجھ لیں کہ ایک بڑا واقعہ رونما ہونے والا ہے اور ہمیشہ کیلئے منتظر رہیں۔ اس کے بارے میں نہ تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ: ''ابھی تو کئی سال یا کئی مہینے اس واقعے کے رونما ہونے میں باقی ہیں'' اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ: ''یہ واقعہ نزدیک ہے اور عنقریب رونما ہونے والا ہے''۔

انتظار کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ایسی شکل وصورت اور ایسا اخلاق اپنائے جو اس زمانے سے تناسب رکھتا ہو جس کا انتظار ہو رہا ہے۔ اس زمانے کے لوگوں سے ایسی ہی شکل وصورت وہیئت اور اخلاق کی توقع رکھی جاتی ہے۔ یہ انتظار کا لازمہ ہے۔

جب طے یہی ہے کہ جس زمانے کا انتظار ہو رہا ہے، اس میں عدل ہو، حق ہو، توحید و یکتا پرستی ہو، اخلاص ہو، عبودیت و بندگی ہو، طے یہ ہے کہ وہ زمانہ کچھ ایسا زمانہ ہوگا تو ہم جو منتظر ہیں، ہمیں خود کو ان امور سے قریب تر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اپنے آپ کو عدل سے روشناس کرانا چاہیے، اپنے آپ کو عدل کے قیام کیلئے تیار کرنا چاہیے، ہمیں حق وحقیقت کی پذیرائی کیلئے تیار رہنا چاہیے۔ انتظار ایسی حالت پیدا کر دیتا ہے۔

انتظار کی حقیقت میں ایک خصوصیت رکھی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی آج کی صورت حال پر اور اپنی آج کی ترقی اور پیشرفت ہی پر قناعت نہیں کر لینا چاہیے، بلکہ ہر روز نئی پیشرفت کا متلاشی ہونا چاہیے، اپنی ذات میں اور معاشرے میں ان حقائق کو زیادہ سے زیادہ عملی جامہ پہنانا چاہیے اور معنوی

---

[1] سورۂ انبیاء آیت ۱۰۵۔۱۰۶۔

اورالٰہی خصلتوں کو پروان چڑھانا چاہیے۔ یہ انتظار کی ضروریات ولوازم میں سے ہے۔

اچھا، آج بحمد اللہ بعض لوگ انتظار کے مسئلے میں عالمانہ کاوشوں میں مصروف ہیں، جیسا کہ ہم نے جناب قرائتی کی رپورٹ میں سنا اور میں نے اس سے قبل بھی اس رپورٹ کا مطالعہ کیا تھا اور اب انہوں نے خود بھی اس کی جانب اشارہ کیا اور واضح کیا۔

انتظار اور دوران ظہور کے سلسلے میں غور و تحقیق کے ساتھ عالمانہ کاوشوں سے کبھی بھی غفلت نہیں برتنی چاہیے۔ عامیانہ اور جاہلانہ اقدامات سے مکمل طور پر پرہیز کرنا چاہیے۔ جو چیزیں اس سلسلے میں بڑا خطرہ ہوسکتی ہیں امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے بارے میں یہی عامیانہ اور جاہلانہ کام ہیں جو معرفت سے عاری اور سند و ثبوت سے خالی ہیں۔ یہی اقدامات ہیں جو جھوٹے دعویداروں کے ابھرنے کیلئے راستہ ہموار کرتے ہیں۔ یہ غیر عالمانہ، غیر مستند اور معتبر منابع کا سہارا لئے بغیر ہونے والے کام ہیں جو محض تخیل اور توہم پر مبنی ہیں۔ اس طرح کا کام لوگوں کو انتظار کی حقیقی حالت سے نکال باہر کرتا ہے، جھوٹے مدعیوں اور دجال کیلئے راستہ ہموار کرتا ہے۔ اس قسم کے کام سے سنجیدگی کے ساتھ دوری اختیار کرنی چاہیے اور ان سے قطعی اجتناب کرنا چاہیے۔

تاریخ کے دوران ایسے مدعی ہوگزرے ہیں۔ بعض مدعیوں نے انہی چیزوں کا سہارا لیا جن کی طرف اس مجلس میں اشارہ بھی ہوا۔ انہوں نے ایک علامت کو اپنے اوپر یا کسی اور کے اوپر لاگو کیا، یہ سب غلط ہیں۔ ظہور کی علامتوں میں بعض علامتیں قطعی نہیں ہیں۔ ایسی چیزیں ہیں جو قابل استناد روایتوں میں بھی ذکر نہیں ہوئی ہیں۔ یہ روایات بھی ضعیف ہیں، انہیں بطور دلیل پیش نہیں کیا جاسکتا اور نہ انہیں معتبر قرار دیا جاسکتا ہے۔

جو چیزیں قابل استناد ہیں، انہیں بھی آسانی سے لاگو نہیں کیا جاسکتا [اور ان کیلئے بھی مصداق نہیں ڈھونڈا جاسکتا]۔ کچھ لوگ شاہ نعمت اللہ ولی کے اشعار کو کئی صدیوں سے بہت سے مواقع پر مختلف اشخاص پر لاگو کرتے آئے ہیں، جنہیں میں نے دیکھا۔ کہا کہ یہ جو کہتے ہیں کہ ''میں نے فلان شخص کو فلان کیفیت میں دیکھا'' اس کا مصداق فلاں شخص ہے۔ پھر دوسرے دور میں مثلاً ایک سو سال بعد کسی اور کو ڈھونڈ

لائے اور کہا کہ یہ شخص وہی ہے! یہ سب غلط ہے۔ یہ سب منحرف کر دینے والی باتیں ہیں، لوگوں کو خطا میں ڈالنے والی باتیں ہیں۔ جب انحراف ظاہر ہوتا ہے اور ایک غلط چیز سامنے آتی ہے، حقیقت ترک ہو جاتی ہے اور مہجور و تنہا ہو کر رہ جاتی ہے، مشتبہ ہو جاتی ہے، لوگوں کے ذہنوں کی گمراہی کے اسباب فراہم ہوتے ہیں، لہٰذا غیر شائستہ، ناپختہ کام سے اور غیر شائستہ اور غلط افواہوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ عالمانہ، قوی، سند و ثبوت پر مبنی کام ہونا چاہیے۔ تاہم یہ کام ان لوگوں کا ہے جو اس کام میں ماہر سمجھتے جاتے ہیں۔ یہ کام ہر کسی کا کام نہیں ہے۔ اس کام کرنے والوں کو اہل فن اور ماہر ہونا چاہیے۔ حدیث میں ماہر ہوں، رجال شناس ہوں، سند شناس ہوں، فلسفی تفکر کے حامل ہوں اور ان تفکرات کو جانتے ہوں، حقائق کو جانتے ہوں۔ ایسی ہی صورت میں وہ اس سلسلے میں میدان عمل میں قدم رکھ سکتے ہیں اور تحقیقی کاوش کر سکتے ہیں۔

کام کے اس حصے کو حتی المقدور بہت سنجیدگی سے لیا جانا چاہیے، تاکہ انشاء اللہ عوام کیلئے راستہ کھل جائے۔ لوگوں کے دل جس قدر مہدویت کے موضوع سے روشناس ہوں گے اور اس موضوع سے مانوس ہوں گے اور ان بزرگوار کا حضور اور آپؑ کی موجودگی جس قدر ہمارے لئے، جو زمانہ غیبت میں جی رہے ہیں، زیادہ محسوس ہو، ہم آپؑ کی موجودگی کو زیادہ سے زیادہ محسوس کریں، یہ ہماری دنیا اور ہماری ترقی اور اہداف کی طرف ہماری پیشرفت کیلئے بہتر ہوگا۔

یہ جو توسلات اور مختلف زیارات پائی جاتی ہیں، جن میں سے بعض کی سندیں بھی بہت اچھی ہیں، یہ بہت قابل قدر ہیں۔ توسل اور توجہ، آپؑ سے انس پیدا کرنا اور ہمدم ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی دعویٰ کرے کہ ''میں حضرت ولی عصر عجل اللہ فرجہ الشریف سے ملاقاتیں کرتا رہتا ہوں، یا آپؑ کی صدا سنا کرتا ہوں''، ہرگز ایسا نہیں ہے۔ اس سلسلے میں جتنی باتیں ہوتی ہیں صرف دعوے ہیں جو یا تو بالکل جھوٹے ہیں، یا وہ شخص اگر جھوٹا نہ بھی ہو تو تخیل کرتا ہے، تصور کرتا ہے۔ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا جو جھوٹ نہیں بولتے تھے لیکن ان کا خیال تھا، تخیل و تصور کرتے تھے اور اپنے تخیل کو ایک حقیقت کے عنوان سے لوگوں کیلئے بیان کیا کرتے تھے! ان کی باتوں کو تسلیم کرنا چاہیے۔ صحیح اور منطقی راستہ یہی توسل ہے،

دور کے فاصلے سے توسل، وہی توسل ہے جس کو امام علیہ السلام ہم سے سنتے ہیں اور انشاء اللہ قبول فرماتے ہیں۔ گو کہ ہم اپنے مخاطب کے ساتھ دور سے بات چیت کر رہے ہیں، اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ سلام دینے والوں کا سلام اور پیغام دینے والوں کا پیغام، اس بزرگوار تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ توسلات اور یہ معنوی انس بہت اچھا اور ضروری ہے۔

ہمیں امید ہے کہ ان شاء اللہ خداوند متعال ان بزرگوار کا ظہور قریب تر فرمائے، ہمیں آپؑ کے اعوان و انصار میں قرار دے اور ہمیں اس بزرگوار کے ہمراہ لڑنے والے مجاہدین اور آپؑ کے رکاب میں شہید ہونے والوں کے زمرے میں قرار دے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

*****

جنت کے سردار

انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

نَحْنُ بَنُوْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ سَادَاتُ اَهْلِ الْجَنَّةِ: اَنَا وَ اَخِیْ عَلِیٌّ وَّ عَمِّیْ حَمْزَةُ وَ جَعْفَرٌ وَ الْحَسَنُ وَ الْحُسَیْنُ وَ الْمَهْدِیُّ۔

ہم حضرت عبدالمطلبؑ کی اولاد جنت کے سردار ہیں: میں، میرا بھائی علیؑ، میرے چچا حمزہؓ، جعفر طیارؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور حضرت مہدیؑ جنت کے سردار ہوں گے۔

(کشف الغمہ، ج ۲، ص ۴۷۳)

یورپ اور شمالی امریکہ کے جوانوں کے نام
رہبر معظم آیت اللہ العظمیٰ سیّد علی خامنہ ای مدظلہ العالی
کا پیغام[1]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرانس کے حالیہ واقعات اور بعض دوسرے مغربی ممالک میں اس جیسے واقعات نے مجھے اس بات پر قائل کیا کہ میں ان کے بارے میں براہ راست آپ سے بات اور گفتگو کروں۔ میں آپ جوانوں کو اپنا مخاطب قرار دیتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ میں آپ کے والدین کو نظر انداز کر رہا ہوں، بلکہ اس لئے کہ میں آپ کی قوم اور آپ کے ملک کی باگ ڈور کو آپ کے ہاتھوں میں دیکھ رہا ہوں۔ نیز حقیقت یابی کی شدید پیاس کو آپ کے دلوں کی گہرائی میں زندہ مشاہدہ کر رہا ہوں۔ اس تحریر میں میرا خطاب آپ کے سیاستدانوں اور حکومتی ارکان سے نہیں ہے، کیونکہ میرا اس بات پر یقین ہے کہ انہوں نے دانستہ طور پر سیاست کا راستہ صداقت اور سچائی سے الگ کر لیا ہے۔

میری بات آپ کے ساتھ اسلام کے بارے میں ہے، خاص طور پر اسلام کی اس شکل وصورت اور تصویر کے بارے میں ہے جو آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ گزشتہ دو عشروں سے ادھر یعنی تقریباً سویت یونین کے انحلال کے بعد بہت زیادہ تلاش وکوشش کی گئی ہے تا کہ اس عظیم دین کو خوفناک دشمن کے طور پر پیش کیا جائے۔ افسوس ہے کہ مغربی سیاسی تاریخ میں طویل عرصہ سے رعب ونفرت کے احساس کو بھڑکانے اور اس سے استفادہ کی پالیسی جاری ہے۔ میں یہاں مغربی قوموں کے سامنے مختلف اور گوناگوں قسم کے خوف و ہراس کی تفصیل پیش نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ آپ خود تاریخ کے بارے میں حالیہ تنقیدی مطالعہ کا مختصر جائزہ لینے کے بعد مشاہدہ کریں گے کہ جدید تاریخ نگاری میں دنیا کی دیگر قوموں اور ثقافتوں کے ساتھ مغربی حکومتوں کی غلط اور غیر صادقانہ ومکارانہ رفتار کی مذمت کی گئی ہے۔ یورپ اور

---

[1] بشکریہ: موسسہ فضائل۔

امریکہ کی تاریخ، غلامی کے سلسلے میں شرمارہی ہے، استعمار کے دور کی وجہ سے اس کا سر جھکا ہوا ہے، سیاہ فاموں اور غیر عیسائیوں پر ظلم وستم سے وہ شرمندہ ہے، کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے درمیان مذہب کے نام پر خونریزی یا پہلی اور دوسری عالمی جنگوں میں نسل اور قومیت کے نام پر خونریزی کی وجہ سے ان کے مؤرخین اور محققین کے سر شرم سے جھکے ہوئے ہیں۔

یہ بات بذات خود ایک اچھی اور قابل تحسین بات ہے اور میرا مقصد اس طویل فہرست سے تاریخ کی سرزنش اور مذمت نہیں ہے، بلکہ میں آپ سے چاہتا ہوں کہ آپ اپنے روشن فکر افراد سے سوال کریں کہ مغرب میں لوگوں کا ذہن اور ضمیر دسیوں یا سینکڑوں سال کی تاخیر کے بعد کیوں بیدار ہوتا ہے؟ اجتماعی ضمیر میں ماضی بعید کے بجائے روز مرہ کے مسائل کے بارے میں تجدید نظر کیوں نہیں ہوتی؟ اسلامی فکر وثقافت جیسے اہم مسائل کے فروغ میں رکاوٹ کیوں پیدا کی جاتی ہے؟

آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ تحقیر، نفرت اور دوسروں کے بارے میں خام خیالی، خوف وہراس، ظالموں اور ستمگروں کے مفادات کی مشترکہ روش رہی ہے۔

اب میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے آپ سے سوال کریں کہ اس مرتبہ غیر معمولی شدت کے ساتھ خوف پیدا کرنے اور نفرت پھیلانے کی پرانی اور قدیمی سیاست نے اسلام اور مسلمانوں کو کیوں نشانہ بنا رکھا ہے؟ اور کیوں آج کی دنیاوی طاقتیں اسلام کو دیوار سے لگا کر غیر فعال بنانا چاہتی ہیں؟ اسلام کی کونسی قدریں اور مفاہیم ان بڑی طاقتوں کے منصوبوں کیلئے خطرہ ہیں اور اسلام کی غلط شکل وصورت پیش کرنے میں ان کے کون سے مفادات کو تحفظ فراہم ہوگا؟ پس میرا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ آپ اسلام کے خلاف وسیع پروپیگنڈے کے محرکات کے بارے میں ریسرچ اور جستجو کریں۔

میرا دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ اسلام کے خلاف منفی رائے اور پروپیگنڈوں کے ہجوم کے ردّعمل میں آپ اسلام کے بارے میں براہ راست شناخت حاصل کریں تاکہ آپ کم سے کم یہ جان لیں کہ وہ چیز جس سے آپ کو ڈراتے ہیں وہ کیا ہے اور اس کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے۔ میں اس بات پر اصرار نہیں کرتا کہ اسلام کے بارے میں جو میرا نقطہ نظر ہے آپ اسی کو قبول کرلیں بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ آپ کسی کو اس بات کی اجازت نہ دیں کہ آج کی دنیا میں سب سے زیادہ مؤثر حقیقت کو ناپاک اغراض ومقاصد کے تحت

آپ کے سامنے غلط بنا کر پیش کیا جائے۔ آپ اس بات کی اجازت نہ دیں کہ وہ اپنے گماشتہ دہشت گردوں کو اسلام کا نمائندہ بنا کر پیش کریں۔ آپ اسلام کو اس کے اصلی مآخذ اور مدارک کے ذریعہ پہچاننے کی کوشش کریں۔ اسلام کو قرآن مجید کے ذریعہ اور پیغمبر اسلام ﷺ کی حیات طیبہ کے ذریعہ پہچاننے کی کوشش کریں۔ میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ کیا آپ نے آج تک مسلمانوں کے قرآن کی طرف براہ راست رجوع کیا ہے؟ کیا آپ نے پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات اور آپؐ کی زندگی کے اخلاقی اور انسانی پہلوؤں کا مطالعہ کیا ہے؟ کیا آپ نے میڈیا کے علاوہ اسلام کے پیغام کو کسی دوسرے مآخذ سے حاصل کیا ہے؟ کیا کبھی آپ نے اپنے آپ سے سوال کیا ہے کہ اسی اسلام نے ایک طویل عرصے تک کونسے اقدار کی بنیاد پر دنیا کے علمی اور فکری تمدن کو فروغ دیا اور اعلیٰ ترین دانشوروں اور مفکرین کی تربیت کی؟

میں آپ سے چاہتا ہوں کہ آپ اجازت نہ دیں کہ وہ سست وغلط باتوں کے ذریعہ آپ کے اندر ایسا احساس و جذبہ پیدا کریں اور اس طرح آپ سے غیر منصفانہ رائے کی صلاحیت کو سلب کرلیں۔ آج ارتباطاتی وسائل نے جغرافیائی سرحدوں کو توڑ دیا ہے۔ آپ اجازت نہ دیں کہ وہ آپ کو ذہنی اور ساختگی سرحدوں میں بند کردیں۔ اگر چہ کوئی شخص انفرادی طور پر ایجاد شدہ شگاف کو پر نہیں کرسکتا، لیکن آپ جوانوں میں سے ہر ایک اپنے اردگرد کے ماحول میں آگاہی کی غرض سے اس شگاف کے اوپر فکر و انصاف کا پل بنا سکتا ہے۔ اگر چہ یہ چیلنج، اسلام اور آپ جوانوں کے درمیان پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے تحت ناگوار ہے، لیکن آپ کے متلاشی اور متجسس ذہن میں نئے سوالات پیدا کرسکتا ہے اور آپ کے پاس ان سوالات کے جوابات تلاش کرنے کا بہت اچھا موقع ہے جس میں آپ کے سامنے حقائق نمایاں ہوجائیں گے۔ بنابریں اسلام کے بارے میں صحیح فہم و ادراک کے سلسلے میں اس موقع سے بھرپور استفادہ کیجئے تاکہ آپ کے اس ذمہ دارانہ احساس کی بدولت آئندہ آنے والی نسلیں اسلام اور مغرب کے بارے میں آسودہ خاطر ہوں۔

(21 جنوری، 2015ء)

*****

حضرت آیت اللہ العظمیٰ سیّد علی سیستانی مدظلہ العالی
کی عراق کے فوجی رضا کاروں کو دشمن سے جنگ کے سلسلے میں
نصیحتیں اور راہنما اصول

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی خَیۡرِ خَلۡقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہِ الطَّیِّبِیۡنَ الطَّاہِرِیۡنَ۔

مجاہدین عزیز کہ جنہیں خداوند عالم نے محاذ جنگ پر جا کر حملہ آوروں کے خلاف جنگ کیلئے چنا ہے وہ (درج ذیل نصیحتوں کو) یاد رکھیں:

جہاد کے حدود کی رعایت، فضل الٰہی کے حاصل ہونے کی شرط:

● ۱۔ خداوند متعال نے جس طرح مومنوں کو جہاد کی دعوت دی ہے اور اس کو دین کا ستون قرار دیا ہے اور مجاہدین کو گھر میں بیٹھ جانے والوں پر برتری عطا کی ہے، اسی طرح اس نے جہاد کے آداب و شرائط مقرر فرمائے ہیں جو حکمت اور فطرت کے عین مطابق ہیں۔ آپ کو ان آداب کو جاننا چاہیے اور ان کی رعایت کرنی چاہیے اور جو شخص بھی ان حدود کی مناسب طریقے سے رعایت کرے گا وہ خدا کے فضل اور اس کی برکتوں کا حقدار ہوگا اور جو شخص ان آداب کی رعایت نہیں کرے گا اس کے اجر و ثواب میں کمی کر دی جائے گی اور وہ اپنی آرزو تک نہیں پہنچ سکے گا۔

جہاد کے عام آداب:

● ۲۔ جہاد کے کچھ عام آداب ہیں کہ جن کی حتیٰ کہ کفار کے ساتھ جنگ میں بھی رعایت کی جانی چاہیے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے اصحاب کو کسی جنگی مہم پر بھیجنے سے پہلے ان کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ ایک صحیح حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّبْعَثَ سَرِيَّةً دَعَاهُمْ فَاَجْلَسَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ: سِيْرُوْا بِسْمِ اللهِ وَ بِاللهِ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَ عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللهِ. لَا تَغُلُّوْا وَ لَا تُمَثِّلُوْا وَ لَا تَغْدِرُوْا وَ لَا تَقْتُلُوْا شَيْخًا فَانِيًا وَّ لَا صَبِيًّا وَّ لَا امْرَاَةً وَّ لَا تَقْطَعُوْا شَجَرًا اِلَّا اَنْ تُضْطَرُّوْا اِلَيْهَا۔

جب بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ افراد کو جنگ کیلئے بھیجنا چاہتے تھے تو ان کو اپنے پاس بلاتے تھے اور اپنے سامنے بٹھا کر فرماتے تھے: ''خدا کے نام سے اور اس کی راہ میں اور رسول خداؐ کی سنت پر جنگ کیلئے روانہ ہو جاؤ۔ خبردار! خیانت مت کرنا، مقتولین کے اعضاء نہ کاٹنا، دھوکہ نہ دینا، بوڑھوں بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا اور جب تک مجبوری نہ ہو درختوں کو مت کاٹنا۔[1]

باغی مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے آداب:

● ۳۔ باغی اور سرکش مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے بھی آداب ہیں جو ایسے ہی دنوں کیلئے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی طرف سے ہم تک پہنچے ہیں اور آپؑ نے بنفس نفیس ہمیشہ ان آداب کی رعایت کی تھی اور اپنی تقریروں میں اپنے اصحاب اور دوستوں کو ان کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ ان آداب کی رعایت پر پوری امت مسلمہ کا اجماع ہے اور یہ خدا اور ان کے درمیان حجت ہیں۔ آپ کو بھی چاہیے کہ ان آداب اور حضرت علی علیہ السلام کی سیرت پر عمل کریں۔ امام علی علیہ السلام نے اپنے ایک خطبے میں حدیث ثقلین، حدیث غدیر اور کچھ دیگر احادیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سفارشات پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

اُنْظُرُوا اَهْلَ بَيْتِ نَبِيِّكُمْ فَالْزَمُوْا سَمْتَهُمْ وَ اتَّبِعُوْا اَثَرَهُمْ فَلَنْ يُّخْرِجُوْكُمْ مِنْ هُدًى وَّ لَنْ يُّعِيْدُوْكُمْ فِيْ رَدًى. فَاِنْ لَبَدُوْا فَالْبُدُوْا وَ اِنْ نَّهَضُوْا فَانْهَضُوْا وَ لَا تَسْبِقُوْهُمْ فَتَضِلُّوْا وَ لَا تَتَاَخَّرُوْا عَنْهُمْ فَتَهْلِكُوْا۔

اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت علیہم السلام کی طرف دیکھو اور ان کی خصوصیات کا دامن تھام لو

---

[1] الکافی، ج ۵، ص ۲۷۔

اوران کی پیروی کرو۔اس لئے کہ وہ تمہیں راہ ہدایت سے خارج نہیں کریں گے اور تمہاری گمراہی کا باعث نہیں بنیں گے، پس اگر وہ آگے بڑھیں تو تم بھی آگے بڑھو اور اگر وہ رک جائیں تو تم بھی رک جاؤ۔خبردار! ان سے آگے مت بڑھنا کہ گمراہ ہو جاؤ گے اور ان سے پیچھے مت رہنا کہ ہلاک ہو جاؤ گے۔[1]

مشکوک مواقع پر غور وفکر:

● ۴۔انسانوں کی جان لینے اور انہیں قتل کرنے کے سلسلے میں ہمیشہ خدا کی ذات کو پیش نظر رکھنا۔ خبردار! کسی بھی حالت میں ایسے انسان کی جان مت لینا جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ یاد رکھو! سب سے بڑا گناہ کسی بے گناہ کی جان لینا ہے جبکہ سب سے بڑی نیکی کسی کی جان بچانا اور اس کی حفاظت ہے۔خداوند متعال نے بھی اپنی کتاب میں اس پر بہت زور دیا ہے۔جان لو کہ بے گناہ انسانوں کو قتل کرنے کے دنیا وآخرت میں بے حد خطرناک نتائج ہیں۔حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی سیرت میں ملتا ہے کہ آپؑ جنگوں میں اس سلسلے میں انتہائی زیادہ احتیاط کیا کرتے تھے۔آپؑ نے اپنے برگزیدہ صحابی جناب مالک اشتر کے نام اپنے خط میں ارشاد فرمایا:

اِيَّاكَ وَ الدِّمَآءَ وَ سَفْكَهَا بِغَيْرِ حِلِّهَا. فَاِنَّهٗ لَيْسَ شَیْءٌ اَدْعٰى لِنِقْمَةٍ وَّ لَاۤ اَعْظَمَ لِتَبِعَةٍ وَّ لَاۤ اَحْرٰى بِزَوَالِ نِعْمَةٍ وَّ انْقِطَاعِ مُدَّةٍ مِّنْ سَفْكِ الدِّمَآءِ بِغَيْرِ حَقِّهَا. وَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ مُبْتَدِئٌۢ بِالْحُكْمِ بَيْنَ الْعِبَادِ فِيْمَا تَسَافَكُوْا مِنَ الدِّمَآءِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. فَلَا تُقَوِّيَنَّ سُلْطَانَكَ بِسَفْكِ دَمٍ حَرَامٍ. فَاِنَّ ذٰلِكَ مِمَّا يُضْعِفُهٗ وَ يُوْهِنُهٗ بَلْ يُزِيْلُهٗ وَ يَنْقُلُهٗ وَ لَا عُذْرَ لَكَ عِنْدَ اللّٰهِ وَ لَا عِنْدِیْ فِیْ قَتْلِ الْعَمْدِ لِاَنَّ فِيْهِ قَوَدَ الْبَدَنِ۔

خبردار! ناحق خون بہانے سے پرہیز کرنا، کیونکہ ناحق خون سے زیادہ کوئی چیز عذاب الٰہی کو قریب کر دینے والی، بد سے بدتر انجام والی اور نعمتوں کے زوال اور زندگی کا خاتمہ کر دینے

[1] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۹۷۔

والی نہیں ہے۔ (یاد رکھو!) پروردگار روز قیامت اپنے حساب و کتاب کا آغاز خونریزیوں کے معاملہ سے کرے گا، لہٰذا خبردار! ناحق خونریزی کو اپنی حکومت کے استحکام کا ذریعہ قرار نہ دینا۔ اس لئے کہ یہ بات نہ فقط حکومت کو کمزور اور بے جان بنا دیتی ہے، بلکہ تباہ کر کے دوسروں کی طرف منتقل کر دیتی ہے۔ اس سلسلے میں تمہارا کوئی بھی بہانہ، نہ خدا کے نزدیک قابل قبول ہوگا اور نہ میرے نزدیک۔ اس لئے کہ اس کی سزا قصاص ہے۔[1]

پس اگر آپ کو کوئی مشتبہ صورت حال پیش آجائے جہاں آپ کو دشمن کے چھپے ہونے کا شک ہو، تو سیدھی گولی چلانے کی بجائے پہلے انہیں آواز دیں یا ہوائی فائرنگ کریں، تاکہ کوئی بے گناہ نہ مارا جائے اور آپ کو اللہ کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

بوڑھوں بچوں اور عورتوں کا لحاظ اور رہائشی مکانوں کے انہدام سے پرہیز:

● ۵۔ خدارا، خدارا! عام معصوم لوگوں کے بارے میں محرمات الٰہیہ کو مدنظر رکھنا۔ خاص کر بوڑھوں عورتوں اور بچوں کے سلسلے میں، چاہے یہ آپ کے دشمنوں کے رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اس لئے دشمن کی عورتوں اور بچوں پر کوئی اختیار نہیں۔ تم صرف دشمن کے جنگی ساز و سامان کو اپنے قبضے میں لے سکتے ہو۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی سیرت بھی یہ تھی کہ آپؑ اپنے ساتھیوں خاص کر خوارج کے اصرار کے باوجود دشمن کے رشتہ داروں، عورتوں اور ان کے گھروں سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے اور فرماتے تھے:

حَارَبَنَا الرِّجَالُ فَحَارَبْنَاهُمْ فَأَمَّا النِّسَآءُ وَ الذَّرَارِیُّ فَلَا سَبِیْلَ لَنَا عَلَیْهِمْ لِاَنَّهُنَّ مُسْلِمَاتٌ وَّ فِیْ دَارِ هِجْرَةٍ فَلَیْسَ لَكُمْ عَلَیْهِنَّ سَبِیْلٌ فَاَمَّا مَا اَجْلَبُوْا عَلَیْكُمْ بِهٖ وَ اسْتَعَانُوْا بِهٖ عَلٰی حَرْبِكُمْ وَ ضَمَّهٗ عَسْكَرُهُمْ وَ حَوَاهُ فَهُوَ لَكُمْ وَ مَا كَانَ فِیْ دُوْرِهِمْ فَهُوَ مِیْرَاثٌ عَلٰی فَرَآئِضِ اللّٰهِ تَعَالٰی لِذَرَارِیِّهِمْ وَ عَلٰی نِسَآئِهِمُ الْعِدَّةُ وَ لَیْسَ لَكُمْ عَلَیْهِنَّ وَ لَا عَلَی الذَّرَارِیِّ مِنْ سَبِیْلٍ۔

ہمارے ساتھ مردوں نے جنگ کی اور ہم نے ان کا مقابلہ کیا۔ باقی رہی عورتیں اور بچے تو

---

[1] نہج البلاغہ، مکتوب نمبر ۵۳۔

ہمیں ان کو نقصان پہنچانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ مسلمان ہیں اور اسلامی ریاست کے باشندے ہیں۔ ہاں میدان جنگ میں موجود ان کے تمام اموال اور جنگی ساز و سامان جن کو انہوں نے تمہارے خلاف جنگ میں استعمال کیا ہے وہ سب تمہاری ملکیت ہیں۔ مگر جو کچھ ان کے گھروں میں ہے وہ اسلامی قوانین وراثت کے مطابق ان کے بیوی بچوں کی میراث ہے۔ تمہیں ان کے گھروں کے اندر موجود اموال اور ان کی عورتوں اور بچوں کے سلسلے میں کوئی حق نہیں ہے۔ [ط]

تہمت سے بچیں اور حرام چیزوں کو مباح قرار نہ دیں:

● ٦۔ خدارا! خدارا! لوگوں کے خون بہانے کو جائز و مباح بنانے کیلئے ان پر کفر کا جھوٹا فتویٰ مت لگانا۔ جیسا ابتدائے اسلام میں خوارج نے یہی کام کیا تھا اور آج ہمارے دور میں بھی دین سے نابلد گروہ اپنے خاص مزاج اور ہوئی و ہوس کی بنا پر اسی روش پر عمل پیرا ہیں۔ یہ لوگ بعض روایات کی بنا پر جنہیں یہ درست سمجھ نہیں سکے لوگوں کے خون کو مباح سمجھ رہے ہیں جس کی وجہ سے انہوں نے تمام مسلمانوں کو ایک عظیم مصیبت میں گرفتار کر دیا ہے۔

شہادتین کا اقرار کرنے والا مسلمان ہے/ ہر بدعت کفر کا باعث نہیں بنتی:

واضح رہے کہ شہادتین (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ) کا اقرار کرنے والا مسلمان ہے اور اس کا خون اور مال محترم ہے، چاہے وہ گمراہ اور بدعت گزار ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ ہر بدعت کفر کا باعث نہیں بنتی اور ہر بدعت دائرہ اسلام خارج نہیں کرتی۔ بسا اوقات انسان کسی گناہ اور فساد یا دوسرے انسان کے قتل کی وجہ سے سزائے موت کا حقدار بن جاتا ہے، حالانکہ وہ مسلمان ہی ہوتا ہے۔

خداوند متعال مجاہدین سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ﴾

[ط] دعائم الاسلام، ج ۱، ص ۳۹۵۔

ایمان والو! جب تم راہِ خدا میں جہاد کیلئے سفر کرو تو پہلے تحقیق کرلو اور خبردار جو اسلام کی پیشکش کرے اس سے یہ نہ کہنا کہ تو مومن نہیں ہے کہ اس طرح تم زندگانی دنیا کا چند روزہ سرمایہ چاہتے ہو۔[1]

حضرت علی علیہ السلام سے بہت ساری روایات نقل ہوئی ہیں کہ آپؑ اپنے کسی بھی دشمن کو کافر قرار دینے سے منع فرمایا کرتے تھے، حالانکہ آپؑ کے لشکر میں موجود خوارج بھی یہی چاہتے تھے جس پر آپؑ کا کیہ ہنا ہوتا تھا کہ: یہ لوگ شک وشبہے میں مبتلا ہیں۔ البتہ یہ چیز ان کے مذموم طرز عمل کو جائز قرار نہیں دے سکتی۔

ایک معتبر روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

اَنَّ عَلِیًّا عَلَیْهِ السَّلَامُ لَمْ یَکُنْ یَنْسُبُ اَحَدًا مِنْ اَهْلِ حَرْبِهٖ اِلَی الشِّرْکِ وَ لَا اِلَی النِّفَاقِ. وَ لٰکِنَّهٗ کَانَ یَقُوْلُ: هُمْ اِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَیْنَا۔

حضرت علی علیہ السلام اپنے دشمنوں میں سے کسی کو منافق اور مشرک نہیں کہتے تھے، بلکہ فرماتے تھے: وہ ہمارے بھائی ہیں کہ جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔[2]

آپؑ اپنے دشمنوں کے سلسلے میں فرماتے تھے:

اِنَّا لَمْ نُقَاتِلْهُمْ عَلَی التَّکْفِیْرِ لَهُمْ. وَ لَمْ نُقَاتِلْهُمْ عَلَی التَّکْفِیْرِ لَنَا۔

ہم نے ان کے ساتھ اس لئے جنگ نہیں کی کہ ہم انہیں کافر سمجھتے ہوں یا وہ ہمیں کافر گردانتے تھے۔[3]

غیر مسلمانوں کو نقصان پہنچانا خیانت اور غداری ہے:

● ۷۔ غیر مسلمان کسی بھی دین ومذہب کے ہوں، انہیں نقصان پہنچانے سے پرہیز کرنا۔ اس لئے کہ وہ مسلمانوں کی سرزمین میں ان کی پناہ میں ہیں اور جو بھی ان کو چھیڑے گا وہ خیانت کار اور غدار ہے اور

---

[1] سورۂ نساء، آیت ۹۴۔

[2] وسائل الشیعہ، ج ۱۵، ص ۸۳۔

[3] قرب الاسناد، ص ۹۳۔

واضح ہے کہ خیانت اور غداری، فطرت انسانی اور خدا کے دین دونوں کے نزدیک انتہائی قابل مذمت فعل ہے۔ خداوند متعال نے اپنی کتاب میں غیر مسلموں کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝﴾

وہ تمہیں ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں وطن سے نہیں نکالا ہے، اس بات سے نہیں روکتا ہے کہ تم ان کے ساتھ نیکی اور انصاف کرو کہ خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔[1]

پس ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ مملکت اسلامی میں رہنے والے کسی غیر مسلم کی عزت و ناموس کی پامالی کی اجازت دے، بلکہ مسلمان ان کے سلسلے میں اتنی ہی غیرت سے کام لیں جتنی وہ اپنے گھر والوں کے بارے لیتے ہیں۔ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی سیرت میں آیا ہے کہ جب امیر شام نے بنی غامد کے سفیان بن عوف کو عراق کے کچھ سرحدی علاقوں میں بغاوت کو دبانے کیلئے بھیجا اور اس نے انبار کے مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کو نقصان پہنچایا تو امیر المومنین علیہ السلام اس کے اس اقدام سے بہت آزردہ اور غمگین ہوئے۔ اس سلسلے میں آپؑ نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا:

هٰذَا اَخُوْ غَامِدٍ قَدْ وَرَدَتْ خَيْلُهُ الْاَنْبَارَ وَ قَتَلَ حَسَّانَ بْنَ حَسَّانَ الْبَكْرِيَّ وَ اَزَالَ خَيْلَكُمْ عَنْ مَّسَالِحِهَا وَ قَدْ بَلَغَنِيْ اَنَّ الرَّجُلَ مِنْهُمْ كَانَ يَدْخُلُ عَلَى الْمَرْاَةِ الْمُسْلِمَةِ وَ الْاُخْرٰى الْمُعَاهَدَةِ. فَيَنْتَزِعُ حِجْلَهَا وَ قُلْبَهَا وَ قَلَآئِدَهَا وَ رِعَاثَهَا مَا تَمْنَعُ مِنْهُ اِلَّا بِالاسْتِرْجَاعِ وَ الِاسْتِرْحَامِ ثُمَّ انْصَرَفُوْا وَافِرِيْنَ مَا نَالَ رَجُلًا مِّنْهُمْ كَلْمٌ وَّ لَآ اُرِيْقَ لَهٗ دَمٌ فَلَوْ اَنَّ امْرَاً مُّسْلِمًا مَّاتَ مِنْ بَعْدِ هٰذَا اَسَفًا مَّا كَانَ بِهٖ مَلُوْمًا بَلْ كَانَ عِنْدِيْ بِهٖ جَدِيْرًا۔

بنی غامد کے اس شخص نے انبار والوں پر حملہ کیا اور حسان ابن حسان البکری کو قتل کر ڈالا اور

---

[1] سورۂ ممتحنہ، آیت ۸۔

تمہارے لشکر کو ان سرحدوں سے نکال دیا کہ جو ان کے حصے میں تھیں اور مجھے بتایا گیا ہے کہ اس کے لشکر کے بعض فوجیوں نے ایک مسلمان عورت اور ایک غیر مسلم خاتون کے گھر میں گھس کر ان کی پازیب، چوڑیاں، ہار اور کانوں کی بالیاں چھین لی ہیں اور وہ ان کے سامنے رحم کی بھیک مانگتی رہیں۔ پھر شام کے فوجی بہت سا مال لوٹ کر صحیح وسالم واپس لوٹ گئے، نہ ان کا کوئی فوجی زخمی ہوا اور نہ ہلاک ہوا۔ اگر مسلمان یہ اندوہناک خبر سن کر مرجاتا تو اس پر کوئی دوش نہ ہوتا، بلکہ میری نظر میں ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔[1]

مسلمانوں کے مال پر قبضہ کرنا جائز نہیں ہے:

● ۸۔ خدارا، خدارا! لوگوں کے اموال کے سلسلے میں خدا سے ڈرنا۔ اس لئے کہ ایک مسلمان کے مال پر دوسرے مسلمان کو قابض ہونے کی اجازت نہیں ہے، مگر اسی صورت میں کہ جب وہ جان و دل سے راضی ہو۔ پس جو بھی زور زبردستی سے کسی مسلمان کے مال پر قبضہ کرے گا، گویا اس نے آگ میں ہاتھ ڈالا ہے۔ اس لئے کہ خداوند متعال کا ارشاد گرامی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾﴾

جو لوگ ظالمانہ انداز سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب واصل جہنم ہوں گے۔[2]

اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

مَنِ اقْتَطَعَ مَالَ مُؤْمِنٍ غَصْبًا بِغَيْرِ حَقِّهِ لَمْ يَزَلِ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ مُعْرِضًا عَنْهُ مَاقِتًا لِأَعْمَالِهِ الَّتِي يَعْمَلُهَا مِنَ الْبِرِّ وَ الْخَيْرِ لَا يُثْبِتُهَا فِي حَسَنَاتِهِ حَتَّى يَتُوبَ وَ يَرُدَّ الْمَالَ الَّذِي أَخَذَهُ إِلَى صَاحِبِهِ۔

جو شخص ناحق کسی مسلمان کا مال چرائے خداوند متعال اس سے اپنی نظر عنایت کو ہٹا لے

---

[1] الکافی، ج ۵، ص ۵۔

[2] سورۂ نساء، آیت ۱۰۔

لے گا اور اس کی کسی بھی نیکی اور عمل خیر پر اس سے راضی نہیں ہوگا اور انہیں اس کی نیکیوں میں نہیں لکھے گا، یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے اور اس مال کو اصل مالک تک نہ لوٹا دے۔[1]

لوگوں کا لوٹا ہوا مال واپس کرنا:

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی سیرت میں ملتا ہے کہ آپؑ جنگ میں دشمنوں کے مال کو حلال سمجھنے سے منع فرمایا کرتے تھے، ماسوائے اس مال کہ جو میدان جنگ میں ملتا تھا اور دشمنوں میں سے جو شخص بھی دلیل سے ثابت کر دیتا تھا کہ لشکر گاہ میں جو مال ملا ہے وہ اس کا ذاتی مال ہے، تو وہ مال اسے لوٹا دیا جاتا تھا۔ کتب تاریخ میں ملتا ہے کہ جنگ جمل کے بعد مروان بن حکم نے کہا: ''حضرت علی علیہ السلام نے بصرے میں ہمیں شکست دینے کے بعد لوگوں کے اموال انہیں واپس کر دیئے۔ چنانچہ اس سلسلے جو شخص کوئی گواہ لاتا اسے دے دیتے اور اگر کسی کے پاس گواہ نہ ہوتا تو قسم لے کر اسے اس کا مال واپس کر دیتے۔

محرمات کے ارتکاب سے اجتناب:

۹۔ خدارا، خدارا! تمام محرماتِ الٰہیہ کے ارتکاب سے اجتناب کرنا۔ خبردار! اپنی زبان یا ہاتھ کو ہر قسم کے حرام سے دور رکھنا۔ خبردار! کسی اور کے گناہ میں کسی بے گناہ کو نہ پکڑنا، کیونکہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾

اور کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔[2]

خبردار! محض شک و گمان کی بنا پر کسی پر ہاتھ مت ڈالنا، بلکہ پہلے مکمل اطمینان حاصل کرنا۔ اس لئے کہ اطمینان احتیاط کے عین مطابق ہے جبکہ شک اور گمان دوسروں پر بلا وجہ زیادتی کا سبب بنتا ہے۔ اس بات کا دھیان رکھو کہ کسی سے تمہاری دشمنی اس بات کا باعث نہ بنے کہ تم اپنے ہاتھ حرام سے آلودہ کر لو۔ اس لئے کہ خداوند متعال کا فرمان ہے:

﴿وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ۫﴾

خبردار! کسی قوم کی عداوت تمہیں انصاف کا دامن چھوڑنے پر مجبور نہ کر دے۔ انصاف

---

[1] ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، ص ۲۷۳۔

[2] سورۂ فاطر، آیت ۱۸۔

کرو کہ یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔[1]

مقتولین کے اعضاء کاٹنے کی ممانعت:

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے ہی نقل ہوا ہے کہ آپؑ نے جنگ صفین میں اپنے ایک خطبے میں اپنے لشکر کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَمْثُلُوْا بِقَتِيْلٍ وَّاِذَا وَصَلْتُمْ اِلٰى رِحَالِ الْقَوْمِ فَلَا تَهْتِكُوْا سِتْرًا وَّلَا تَدْخُلُوْا دَارًا وَّلَا تَأْخُذُوْا شَيْئًا مِّنْ اَمْوَالِهِمْ اِلَّا مَا وَجَدْتُّمْ فِيْ عَسْكَرِهِمْ وَلَا تُهَيِّجُوْا امْرَاَةً بِاَذًى وَّاِنْ شَتَمْنَ اَعْرَاضَكُمْ وَسَبَبْنَ اُمَرَآءَكُمْ وَصُلَحَآءَكُمْ۔

(خبردار!) کسی مقتول کے اعضاء نہ کاٹنا اور جب ان کے گھروں کے پاس پہنچو تو ان کے پردے نہ ہٹانا اور کسی کے گھر میں مت داخل ہونا اور ان کے مال میں سے کچھ نہ اٹھانا، ماسوائے اس مال کے جو لشکر گاہ میں ہو اور خبردار! عورتوں کو کوئی تکلیف مت پہنچانا، چاہے وہ تمہیں، تمہارے سرداروں اور تمہارے بزرگوں کو گالیاں ہی کیوں نہ دیں۔[2]

روایت میں آیا ہے کہ کہ آپؑ نے جنگ جمل کے اختتام پر (بصرہ) کے ایک بہت بڑے گھر کا رخ کیا اور دروازہ کھٹکھٹایا، جب دروازہ کھلا تو اندر عورتوں کو دیکھا کہ جو گھر کے صحن میں رونے میں مشغول ہیں۔ جب انہوں نے امام علیہ السلام کو دیکھا تو چیخ کر کہا: ''یہ ہمارے عزیزوں کا قاتل ہے''۔ مگر آپؑ نے انہیں کچھ نہیں کہا۔ اس کے بعد آپؑ نے اس گھر کے کمروں کہ جہاں مروان بن حکم اور عبداللہ بن زبیر جیسے وہ لوگ چھپے ہوئے تھے جنہوں نے آپؑ سے جنگ کی تھی، کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے ایک صحابی سے ارشاد فرمایا:

لَوْ قَتَلْتُ الْاَحِبَّةَ لَقَتَلْتُ مَنْ فِيْ هٰذِهِ الْحُجْرَةِ۔

اگر میں نے ان کے پیاروں کو مارنا ہوتا تو اس کمرے میں چھپے ہوئے افراد کو قتل کر دیتا۔[3]

---

[1] سورۂ مائدہ، آیت ۸۔

[2] وسائل الشیعہ، ج ۱۵، ص ۹۵۔

[3] دعائم الاسلام، ج ۱، ص ۳۹۴۔

دشمنوں کو گالی دینے سے اجتناب:

روایات میں ملتا ہے جنگ صفین کے موقع پر ایک مرتبہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کو اطلاع ملی کہ آپؑ کے کچھ اصحاب نے (غصے میں آکر) شام والوں کو سب وشتم کیا ہے تو آپؑ نے فرمایا:

اِنِّیْٓ اَکْرَہُ لَکُمْ اَنْ تَکُوْنُوْا سَبَّابِیْنَ وَ لٰکِنَّکُمْ لَوْ وَصَفْتُمْ اَعْمَالَھُمْ وَ ذَکَرْتُمْ حَالَھُمْ کَانَ اَصْوَبَ فِی الْقَوْلِ وَ اَبْلَغَ فِی الْعُذْرِ وَ قُلْتُمْ مَکَانَ سَبِّکُمْ اِیَّاھُمْ: اَللّٰھُمَّ احْقِنْ دِمَآءَنَا وَ دِمَآءَھُمْ وَ اَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِنَا وَ بَیْنِھِمْ وَ اھْدِھِمْ مِنْ ضَلَالَتِھِمْ حَتّٰی یَعْرِفَ الْحَقَّ مَنْ جَھِلَہٗ وَیَرْعَوِیَ عَنِ الْغَیِّ وَ الْعُدْوَانِ مَنْ لَّھِجَ بِہٖ. فَقَالُوْا: یَآ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ نَقْبَلُ عِظَتَکَ وَ نَتَاَدَّبُ بِاَدَبِکَ۔

میں نہیں چاہتا کہ تمہیں گالیاں دینے والا کہا جائے، بلکہ اگر تم ان کے اعمال اور ان کے کرتوت بیان کرو تو یہ درست بھی ہوگا اور اس سے تم پر کوئی گناہ بھی نہ ہوگا۔ تم انہیں گالی دینے کی بجائے یوں کہہ سکتے ہو: خدایا! ہماری اور ان کی جان کی حفاظت فرما اور ان کے اور ہمارے درمیان اصلاح فرمادے اور ان کی ہدایت فرما تا کہ نادان لوگ حق کو پہچان لیں اور گمراہ لوگ دشمنی سے دست بردار ہو جائیں۔ یہ سن کر آپؑ کے اصحاب نے کہا: یا امیر المومنینؑ! ہم آپ کی نصیحت پر عمل کریں گے اور آپؑ کی سکھائی ہوئی روش اپنائیں گے۔[1]

● ۱۰۔ یاد رکھو! کسی بھی قوم چاہے وہ تمہاری دشمن ہی کیوں نہ ہو، مگر جب تک وہ تمہارے ساتھ جنگ کی حالت میں نہ ہو، انہیں ان کے حقوق سے محروم نہ کرنا۔ اس لئے کہ حضرت امام علی علیہ السلام کی سیرت میں ملتا ہے کہ آپؑ اپنے مخالفین کے ساتھ اس وقت تک عام مسلمانوں جیسا سلوک کرتے تھے جب تک کہ وہ آپؑ کے خلاف اعلان جنگ نہ کر دیتے تھے۔ پھر آپؑ کبھی بھی ان کے ساتھ جنگ کا آغاز نہیں کرتے تھے جب تک کہ ان کی طرف سے پہل نہیں ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ آپؑ کوفہ میں خطبہ دے رہے تھے کہ اتنے میں خوارج کا ایک گروہ اٹھا اور بولا: لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ!۔ اس پر آپؑ نے فرمایا:

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۲۰۶۔

كَلِمَةُ حَقٍّ يُرَادُ بِهَا بَاطِلٌ. لَكُمْ عِنْدَنَا ثَلَاثُ خِصَالٍ: لَا نَمْنَعُكُمْ مَسَاجِدَ اللهِ اَنْ تُصَلُّوْا فِيْهَا وَ لَا نَمْنَعُكُمُ الْفَيْءَ مَا كَانَتْ اَيْدِيْكُمْ مَعَ اَيْدِيْنَا وَ لَا نَبْدَؤُكُمْ بِحَرْبٍ حَتّٰى تَبْدَءُوْنَا بِهٖ۔

یہ جملہ درست ہے مگر اس سے نادرست مطلب نکالا جارہا ہے۔ ہم نے تمہارے بارے میں تین فیصلے کئے ہیں: ۱) ہم تم لوگوں کو مسجدوں میں نماز پڑھنے سے نہیں روکیں گے۔ ۲) جب تک تم ہمارے ساتھ ہو ہم تمہیں خراج سے محروم نہیں کریں گے۔ ۳) جب تک تم ہمارے ساتھ جنگ میں پہل نہیں کرتے ہم تمہارے خلاف کوئی اقدام نہیں کریں گے۔[1]

شکوک وشبہات کا ازالہ:

● ۱۱۔ یاد رکھو! تم سے لڑنے والے اکثر لوگوں کے اذہان میں دوسروں نے مختلف شبہات ڈالے ہیں جن کی وجہ سے وہ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اس لئے ایسا کوئی بھی کام کرنے سے قطعی اجتناب کرنا جس کی وجہ سے یہ شبہات تقویت پا جائیں اور لوگ تمہارے مخالفین کے ساتھ جا ملیں۔ اس کی بجائے آپ لوگ ان سے حسن سلوک، مخلصانہ نصیحت، عدل وانصاف، مناسب حد تک عفو ودرگزر، ظلم سے اجتناب کا طرز عمل اپنائیں تا کہ ان کے اذہان سے دشمنوں کے شبہات دور ہو جائیں۔ اس لئے کہ جس شخص نے کسی مسلمان کے ذہن سے شبہے کا ازالہ کیا گویا اس نے اس کو زندہ کیا ہے اور جو کسی کے ذہن میں شبہ پیدا کرے گویا اس نے اس کو قتل کیا ہے۔

● آئمہ طاہرین علیہم السلام بھی لوگوں کے اذہان سے غلط شکوک وشبہات کو دور کرنے پر خصوصی توجہ دیتے تھے، حتی کہ اگر انہیں یہ کوشش بے سود نظر آتی تھی تب بھی اتمام حجت، امت کی تربیت، اچھے نتائج اور خاص کر آئندہ نسلوں کے دلوں سے کدورت اور دشمنی کو ختم کرنے کیلئے اس کا ضرور اقدام کرتے تھے۔ ایک حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے جنگ جمل میں جس وقت لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو چکے تھے، اپنے اصحاب سے خطاب

---

[1] ج ۱، ص ۳۹۳۔

کر کے ارشاد فرمایا:

لَا تَعْجَلُوْا عَلَى الْقَوْمِ حَتّٰى أُعْذِرَ فِيْمَا بَيْنِيْ وَ بَيْنَ اللهِ وَ بَيْنَهُمْ. فَقَامَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ: يَا أَهْلَ الْبَصْرَةِ! هَلْ تَجِدُوْنَ عَلَيَّ جَوْرًا فِيْ حُكْمٍ؟ قَالُوْا: لَا. قَالَ: فَحَيْفًا فِيْ قَسْمٍ؟ قَالُوْا: لَا. قَالَ: فَرَغْبَةٌ فِيْ دُنْيَا أَصَبْتُهَا لِيْ وَ لِأَهْلِ بَيْتِيْ دُوْنَكُمْ فَنَقَمْتُمْ عَلَيَّ فَنَكَثْتُمْ عَلَيَّ بَيْعَتِيْ؟ قَالُوْا: لَا. قَالَ: فَأَقَمْتُ فِيْكُمُ الْحُدُوْدَ وَ عَطَّلْتُهَا عَنْ غَيْرِكُمْ؟ قَالُوْا: لَا۔

خبردار! ان لوگوں پر حملہ کرنے میں جلدی نہ کرنا۔ ٹھہرو! پہلے میں ان پر اتمام حجت کرلوں تا کہ مجھے اللہ کے ہاں جوابدہ نہ ہونا پڑے۔ اس کے بعد آپؑ نے جمل والوں سے خطاب کر کے فرمایا: اے بصرہ والو! کیا تم مجھے ظالم حاکم سمجھتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: کیا میں نے بیت المال کی تقسیم میں کوئی زیادتی کی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: کیا تم نے مجھ میں دنیا پرستی دیکھی ہے کہ میں نے اپنے اور اپنے اہلبیتؑ کیلئے مال دنیا کو جمع کرلیا اور تمہیں اس سے محروم کر دیا ہے جس پر تم لوگ مجھ سے انتقام لینے پر اتر آئے ہو اور میری بیعت کو توڑ دیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: کیا میں نے خدا کی حدود کو صرف تمہارے اوپر جاری کیا ہے اور دوسروں پر اس سلسلے میں رعایت برتی ہے؟ کہا: نہیں۔[1]

واضح رہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی کربلا میں دشمن کی فوج سے اسی طرح کے سوال کئے تھے۔ درحقیقت ان باتوں سے آپؑ کا مقصد صورت حال کو واضح کرنا اور غلط قسم کے شبہات کو برطرف کرنا تھا تا کہ سب پر حجت تمام ہو جائے۔ پس اسلام کے نزدیک کسی بھی قوم وملت کے ساتھ اتمام حجت اور ممکنہ حد تک ان کے اذہان میں چھپے غلط شکوک وشبہات کو دور کئے بغیر جنگ کی اجازت نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن وسنت میں بڑے واضح انداز اس بات پر زور دیا گیا ہے۔

---

[1] بحار الانوار، ج ۳۳، ص ۱۸۵۔

ظلم کا تدراک ظلم کے ذریعہ ناممکن ہے:

● ۱۲۔ خبردار! کوئی یہ نہ سوچے کہ عدل و انصاف میں وہ اثر نہیں ہے جو ظلم و بربریت میں ہے۔ اس لئے کہ یہ سوچ رکھنے والا بعض تاریخی حوادث و واقعات پر سطحی نگاہ ڈال کر یہ نتیجہ اخذ کر لیتا ہے، مگر درحقیقت وہ ظلم کے دوررس اور درمیان مدت خطرناک نتائج اور عواقب سے مکمل ناواقف ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ سب چیزیں ہمیں سماج کو درپیش ظلم و بربریت کے خطروں کے بارے میں متنبہ کرتی ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

مَنْ ضَاقَ بِهِ الْعَدْلُ فَالْجَوْرُ بِهِ اَضْيَقُ۔

جس شخص میں عدالت وانصاف کی تاب نہیں ہو، اس کیلئے ظلم وجور اور بھی زیادہ دشوار ہوتا ہے۔[1]

موجودہ دور کی تاریخ میں غور وفکر ایک باشعور انسان کیلئے سبق وعبرت کے کئی دریچے کھولتا ہے۔ اس لئے کہ بعض حکمرانوں نے اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کیلئے ظلم کا سہارا لیا اور سینکڑوں انسانوں پر ظلم کا بازار گرم کیا۔ مگر وقت آنے پر اللہ تعالیٰ نے اس راہ سے ان کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا جس کا انہیں وہم و گمان تک نہیں گزرا تھا۔

جنگ میں پہل کرنے سے پرہیز:

● ۱۳۔ یاد رکھو! اگر صبر وتحمل، سوچ بچار، اتمام حجت، انسانی اقدار اور قوانین کی رعایت کی وجہ سے قدرے نقصان بھی اٹھانا پڑ جائے تو کوئی بات نہیں، کیونکہ اس سے برکت ہوگی اور اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔ آئمہ طاہرین علیہم السلام کی سیرت طیبہ میں اس کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں۔ کتب احادیث میں یہاں تک ملتا ہے کہ وہ حضرات کبھی بھی دشمن کے خلاف جنگ میں پہل نہیں کرتے تھے، خواہ اس کی وجہ سے اپنے کسی صحابی کی جان سے ہی کیوں نہ ہاتھ دھونا پڑ جائیں۔ حدیث میں آیا ہے:

فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْجَمَلِ وَ بَرَزَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ نَادَى مُنَادِيْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (ع) لَا يَبْدَاَنَّ اَحَدٌ مِنْكُمْ بِقِتَالٍ حَتّٰى اٰمُرَكُمْ. قَالَ: فَرَمَوْا فِيْنَا.

---

[1] دعائم الاسلام، ج ۱، ص ۳۹۶۔

فَقُلْنَا: يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! قَدْ رُمِيْنَا. فَقَالَ: كُفُّوْا. ثُمَّ رَمَوْنَا. فَقَتَلُوْا مِنَّا. قُلْنَا يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! قَدْ قَتَلُوْنَا. فَقَالَ: احْمِلُوْا عَلٰى بَرَكَةِ اللهِ۔

جنگ جمل کے دن جب لشکر والے نکلے تو امیر المومنین علیہ السلام کے منادی نے آپؑ کی طرف سے یہ اعلان کیا: تم میں سے کوئی شخص بھی جنگ کا آغاز نہ کرے جب تک کہ میں نہ کہہ دوں۔ راوی کہتا ہے: دشمن کی فوج نے ہم پر تیر اندازی شروع کر دی تو ہم نے کہا: یا امیر المومنینؑ! انہوں نے ہم پر تیروں کی بارش کر دی ہے۔ آپؑ نے فرمایا: ابھی رکو! اس کے بعد انہوں نے مزید تیر برسا کر ہمارے کچھ افراد کو شہید کر دیا تو ہم نے عرض کی: مولا! انہوں نے ہمارے کچھ ساتھیوں کو شہید کر دیا ہے تو حضرتؑ نے فرمایا: اچھا اب تم بھی اللہ کی برکت سے ان پر حملہ کر دو۔[1]

حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی روز عاشورا اسی روش پر عمل کیا تھا۔

خیر خواہی پر مبنی سلوک:

● ۱۴۔ علاقے میں جن لوگوں کے پاس بھی پہنچو ان کے ساتھ خیر خواہی پر مبنی سلوک کرنا اور ان کی حمایت کرنا تا کہ وہ تمہارا ساتھ دیں اور تمہاری مدد کریں بلکہ جہاں تک ممکن ہو کمزوروں کی مدد کرنا کہ وہ تمہارے بھائی ہیں اور ان کے ساتھ مہربانی اور ہمدردی سے پیش آنا اور جان لو کہ تم خداوند سبحان کے حضور میں ہو اور تمہارے افعال لکھے جا رہے ہیں اور وہ تمہاری نیتوں سے آگاہ ہے۔

واجب نمازوں کی ادائیگی:

● ۱۵۔ واجب نمازوں کی ادائیگی میں ہرگز سستی اور غفلت کا مظاہرہ نہ کرنا، کیونکہ مسلمان کیلئے خدا کے ہاں نماز سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے اور نماز دراصل وہ ادب ہے کہ جس کا انسان کو اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے مظاہرہ کرنا چاہیے۔ نماز دین کا ستون ہے اور اعمال کی قبولیت کا دارومدار اسی پر ہے۔

واضح رہے کہ خدا نے سخت دشوار اور جنگی حالات میں نماز میں تخفیف دی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی نماز کے پورے وقت میں جنگ میں مشغول ہو تو وہ ہر رکعت کے بدلے میں ایک تکبیر پر اکتفا کر سکتا

---

[1] بحار الانوار، ج ۳۲، ص ۱۸۶۔

ہے۔اس حالت میں رو بہ قبلہ ہونا بھی شرط نہیں ہوتا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

اپنی تمام نمازوں اور بالخصوص نماز وسطی کی محافظت اور پابندی کرو اور اللہ کی بارگاہ میں خشوع وخضوع کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔پھر اگر تم حالت خوف میں ہو تو خواہ پیدل ہو یا سوار (تو جیسے ممکن ہو نماز ادا کرلو) مگر جب امن میسر آجائے تو اللہ کو اسی طریقے سے یاد کرو جو اس نے تمہیں سکھایا ہے جسے تم پہلے نہ جانتے تھے۔[1]

اس کے علاوہ خدا نے (قرآن مجید میں) مومنوں کو اپنی جان اور اپنے ہتھیاروں کا خیال رکھنے کی بھی تاکید کی ہے اور فرمایا ہے کہ وہ سب اکٹھے نماز میں مشغول نہ ہو جائیں، بلکہ باری باری نماز پڑھیں۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی سیرت میں بھی آیا ہے کہ وہ اپنے اصحاب کو نماز کی تاکید کرتے تھے۔ایک معتبر حدیث میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے جنگ کی حالت میں نمازِ خوف کے بارے میں فرمایا:

يُصَلِّيْ كُلُّ اِنْسَانٍ مِنْهُمْ بِالْاِيْمَآءِ حَيْثُ كَانَ وَجْهُهٗ وَاِنْ كَانَتِ الْمُسَايَفَةُ وَ الْمُعَانَقَةُ وَ تَلَاحُمُ الْقِتَالِ فَاِنَّ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ (ع) صَلّٰى لَيْلَةَ صِفِّيْنَ وَ هِيَ لَيْلَةُ الْهَرِيْرِ لَمْ تَكُنْ صَلٰوتُهُمُ الظُّهْرُ وَ الْعَصْرُ وَ الْمَغْرِبُ وَ الْعِشَآءُ عِنْدَ وَقْتِ كُلِّ صَلٰوةٍ اِلَّا التَّكْبِيْرَ وَ التَّهْلِيْلَ وَ التَّسْبِيْحَ وَ التَّحْمِيْدَ وَ الدُّعَآءَ. فَكَانَتْ تِلْكَ صَلٰوتَهُمْ لَمْ يَأْمُرْهُمْ بِاِعَادَةِ الصَّلٰوةِ۔

(حالت جنگ میں) جس شخص کا رخ جس طرف بھی ہو وہ اشارے سے نماز پڑھے چاہے وہ دشمن کے ساتھ دست وگریباں ہی کیوں نہ ہو۔اس لئے کہ حضرت امیر المومنینؑ کے لشکر

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۲۳۸۔۲۳۹۔

والوں نے جنگ صفین میں لیلۃ الہریر کے موقع پر ظہر، عصر اور مغرب وعشاء کی نماز کو صرف ''اللہ اکبر''، ''لا الہ الا اللہ''، ''سبحان اللہ'' اور ''الحمدللہ'' اور دُعا کے ساتھ ادا کیا تھا اور یہی ان کی نماز تھی اور حضرتؑ نے ان کو وہ نمازیں دوبارہ پڑھنے کا حکم بھی نہیں دیا تھا۔[1]

مشکل حالات میں خدا کی یاد:

● ۱۶۔ کثرت سے یادِ خدا اور تلاوت قرآن کے ذریعے اپنے آپ کو مضبوط کرنا اور امیر المومنین علی علیہ السلام کی طرح اللہ سے ملاقات اور اس کی جانب بازگشت کو پیش نظر رکھنا۔ مروی ہے کہ آپؑ اپنے ذکر اور ورد کے اس قدر پابند تھے کہ جنگ صفین میں لیلۃ الہریر کے موقع پر میدان جنگ میں دو صفوں کے درمیان آپ کیلئے چٹائی بچھائی گئی اور آپؑ نماز میں مشغول ہو گئے۔ اس موقع پر تیر آپؑ کے اطراف سے گزر رہے تھے لیکن حضرتؑ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

اسلام کیلئے زینت کا باعث بنو:

● ۱۷۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو! جنگ اور صلح دونوں حالتوں میں دوسروں کے ساتھ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت اطہار علیہم السلام جیسا برتاؤ کرنے کی پوری کوشش کرنا۔ تاکہ تم اسلام کیلئے زینت اور اس کی اعلیٰ اقدار کی بہترین مثال بن جاؤ۔ اس لئے کہ دین اسلام کی اساس، نور فطرت، عقل کی گواہی اور اچھا اخلاق ہے۔ اس سے آگاہی کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقل و شعور اور اخلاق حسنہ کا پرچم بلند کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی بنیاد کائنات میں غور و فکر کرنے، اس سے عبرت لینے اور اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونے پر استوار ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی غرض و غایت بھی در اصل عقل و فطرت میں چھپی ہوئی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝﴾

اور نفس کی قسم اور جس نے اسے درست کیا ہے۔ پھر بدی اور نیکی کی ہدایت دی ہے۔ بیشک وہ

---

[1] الکافی، ج ۳، ص ۴۵۷۔

کامیاب ہوگیا جس نے نفس کو پاکیزہ بنالیا اور وہ نامراد ہوگیا جس نے اسے آلودہ کردیا۔[1]

اور حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

فَبَعَثَ فِيهِمْ رُسُلَهُ وَ وَاتَرَ إِلَيْهِمْ أَنْبِيَآئَهُ لِيَسْتَأْدُوهُمْ مِيثَاقَ فِطْرَتِهِ وَ يُذَكِّرُوهُمْ مَنْسِيَّ نِعْمَتِهِ وَ يَحْتَجُّوا عَلَيْهِمْ بِالتَّبْلِيغِ وَ يُثِيرُوا لَهُمْ دَفَآئِنَ الْعُقُولِ۔

خدا نے اپنے پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے لوگوں کے درمیان بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو فطرت کے پیمان اور خدا کی بھولی ہوئی نعمتوں کی یاد دلائیں، ان پر اتمام حجت کریں اور ان کی عقلوں میں چھپے ہوئے خزانوں کو اجاگر کریں۔[2]

اگر مسلمان عقل وشعور سے کام لیتے اور حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کرتے تو ان پر برکات الٰہیہ کی بارش ہوتی اور ان کا نور پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا۔

خبردار! تاریخ اسلامی کے بعض مشتبہ واقعات اور مشکوک نصوص پر اعتماد کرنے سے پرہیز کرنا کہ ان امور کو اہل علم پر چھوڑ دینا چاہیے تا کہ وہ ان کے مفاہیم کا درست تعین کریں۔

جلد بازی اور عجلت سے اجتناب:

● ۱۸۔ یاد رکھو! جہاں احتیاط کی ضرورت ہو وہاں عجلت اور جلد بازی سے اجتناب کرنا کہ کہیں تم خود اپنے ہاتھوں سے ہلاکت کا شکار نہ ہو جاؤ۔ اس لئے کہ تمہارا دشمن تو یہی چاہتا ہے کہ ایسے مواقع پر تم بنا سوچے سمجھے اس کے جال میں پھنس جاؤ۔ پس اپنی صفوں کو منظم کرلو اور قدم سے قدم ملالو۔ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے مکمل منصوبہ بندی کرلو اور اس کیلئے ضروری وسائل فراہم کرلو۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انْفِرُوا جَمِيعًا﴾

ایمان والو! اپنے تحفظ کا سامان سنبھال لو اور جماعت جماعت یا اکٹھا جیسا موقع ہو سب نکل پڑو۔[3]

---

[1] سورۂ شمس، آیت ۷۔۱۰۔

[2] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۔

[3] سورۂ نساء، آیت ۷۱۔

ایک اور مقام پر ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ ۝﴾

بیشک اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف باندھ کر جہاد کرتے ہیں جس طرح سیسہ پلائی ہوئی دیواریں۔[1]

تمہیں دشمن کیلئے اس سے کہیں سخت تر ہونا چاہیے جتنا وہ تمہارے لئے ہیں۔ اس لئے کہ تمہیں اس کا زیادہ حق پہنچتا ہے۔ اگر تمہیں کوئی تکلیف اٹھانا پڑتی ہے تو انہیں بھی تمہاری طرح تکلیف اٹھانا پڑتی ہے۔ البتہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے امید ہے جو ان کو نہیں ہے۔ انہیں بزعم خود اللہ سے کوئی امید ہے بھی تو یہ بیہودہ، موہوم اور سراب کی مانند ہے جس سے ان کی پیاس میں ہی اضافہ ہوگا۔ ان کی کُل دلیل تاریک شبہات ہیں اور ان کی آنکھیں اندھی اور نابینا ہیں۔

اپنے حامیوں اور لوگوں کے خیر خواہی:

● ۱۹۔ واضح رہے کہ جو لوگ اصل میں تمہارے ساتھ ہیں مگر دشمن نے ان کو اپنی ڈھال بنایا ہوا ہے، انہیں چاہیے کہ وہ اپنے حامیوں کے خیر خواہ بنیں اور ان کی فداکاری اور ان کے ایثار کی قدر کریں اور ان کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں اور ان مجاہدوں کے سلسلے میں بیہودہ بدگمانی کا شکار نہ ہوں۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے ایک دوسرے پر ایک دوسرے کا حق رکھا ہے، لہٰذا دونوں کو ایک دوسرے سے اچھا سلوک کرنا چاہیے۔

اپنے بھائیوں کی غلطیوں سے درگزر کرنا:

جان لو کہ کوئی شخص بھی تمہارے بھائیوں کی طرح تمہاری فکر میں نہیں ہے اور تمہارا بھلا نہیں چاہتا، بشرطیکہ تمہاری نیت صاف اور خالص ہو۔ اور اگر کسی وقت ضروری ہو تو ایک دوسرے کی غلطیوں سے درگزر کرنا، چاہے یہ غلطیاں بڑی ہی کیوں نہ ہوں۔ اس لئے کہ جو شخص یہ سوچتا ہو کہ کوئی اجنبی شخص اس کے اپنے گھر والوں، قوم و قبیلے یا ملک والوں سے زیادہ اس کا خیر خواہ اور دوست ہے تو یہ اس کا وہم ہے۔

---

[1] سورۂ صف، آیت ۴۔

جوشخص ان امور کا تجربہ کرنا چاہے کہ جن کا پہلے سے تجربہ ہو چکا ہے وہ پشیمان ہوگا۔ جان لو کہ اگر ایک دوسرے سے درگزر کروگے تو تمہیں بڑا ثواب ملے گا اور خدا کے نزدیک تمہارا اجر برباد نہیں ہوگا، بلکہ وہ اجر تمہیں پورے کا پورا قیامت اور برزخ میں عطا ہوگا۔ اسی طرح جو شخص مسلمانوں کے حامیوں کی حمایت کرے گا یا ان کے اہل وعیال کی دیکھ بھال کرے گا تو اسے بھی وہی اجر ملے گا جو مجاہدوں کو نصیب ہوگا۔

بیہودہ تعصبات سے پرہیز:

● ۲۰۔ خبردار! تمام لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ قومی ونسلی مذموم تعصّبات سے پرہیز کریں اور اچھا اخلاق اپنائیں۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف اقوام وملل کی صورت میں اس لئے پیدا کیا ہے تا کہ وہ ایک دوسرے کو پہچانیں، لین دین کریں اور ایک دوسرے کی مدد کریں۔ پس خیال رہے کہ بیہودہ اور خود پسندی پر مبنی افکار تمہارے دل میں جنم نہ لیں۔ تمہیں اس بات کا بخوبی علم ہے کہ ماضی میں تمہیں اور دیگر اسلامی ملکوں کو کن حالات سے گزرنا پڑا ہے اور ان کی کس قدر توانائیاں اور دولت ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے میں غارت ہوگئی ہیں۔ حالانکہ اس طاقت کو ان کی ترقی اور ان کے امور کی اصلاح میں صرف ہونا چاہیے تھا۔ پس اس فتنے سے بچیں کہ جو صرف ظالموں کو ہی اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا، بلکہ یہ فتنہ کہ جس نے سر اٹھایا ہے اس کو خاموش کرنے کی کوشش کریں اور اس کے شعلوں سے بچیں اور خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور متحد رہیں اور جان لیں کہ خدا نے اگر تمہارے دلوں میں خیر خواہی کو پایا تو جو کچھ تم سے لیا اس سے بہتر تمہیں عطا کرے گا اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

(تاریخ صدور: ۲۲ ربیع الثانی، ۱۴۳۶ھ)

✲✲✲✲✲

دُعائے جوشن کبیر پر ایک نظر

حجۃ الاسلام والمسلمین ڈاکٹر محمد علی شمالی

تعارف اور فضیلت

دعائے جوشن کبیر حقیقی طور پر ایک عظیم زرہ ہے۔ یہ دُعا حضرت رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے۔ مرحوم شیخ عباس قمی رحمۃ اللہ علیہ اس دُعا کی ابتدا میں اس کے تعارف میں یوں رقمطراز ہیں:

کتاب ''بلدالامین'' اور ''مصباح'' کفعمی کے مطابق اس دُعا کو امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے والد گرامی حضرت امام حسین علیہ السلام اور انہوں نے اپنے والد حضرت امام علی علیہ السلام اور انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ اس دُعا کو جبریل امین علیہ السلام ایک جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اس وقت لائے جب آپؐ کے جسم پر ایک بھاری زرہ تھی۔ اس زرہ کے بوجھ نے آنحضرتؐ کے جسم کو بہت تکلیف دے رکھی تھی۔ اس حالت میں جبریل امینؑ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور آئے اور عرض کی: یا محمدؐ! آپ کا پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ: اس زرہ کو اتار دو اور یہ دُعا پڑھو، کیونکہ اس دُعا میں تمہارے اور تمہاری امت کیلئے امان ہے۔[1]

واضح رہے کہ علامہ مجلسیؒ نے اپنی کتاب بحارالانوار میں اس دُعا کو نقل کرنے کے ساتھ اس کے پڑھنے کی فضیلت کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔[2]

---

[1] مفاتیح الجنان، ص ۸۶۔

[2] بحارالانوار، ج ۹۱، ص ۳۸۲۔ ۳۸۴۔

جناب جبریل امینؑ نے رسول کریم ﷺ کیلئے اس دُعا کے مزید فوائد بھی بیان فرمائے۔ مگر یہ مقام ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم سب تفاصیل کو یہاں پر بیان کریں۔ ہاں! یہ بات ذکر کرنا ضروری ہے کہ اس حدیث کے مطابق جو شخص بھی اس دُعا کو اپنے کفن پر لکھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو آتش جہنم سے محفوظ رکھے گا۔ جو شخص اس دُعا کو خالص نیت کے ساتھ رمضان المبارک کی ابتدا میں پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو شب قدر نصیب کرے گا اور اس کیلئے ستر ہزار فرشتے خلق کرے گا جو تسبیح و تقدیس کریں گے اور اس کا ثواب اس کیلئے ہوگا جس نے یہ دُعا پڑھی تھی۔

اس کے علاوہ یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص اس دُعا کو ماہ رمضان کے دوران تین مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے جسم کو آتش جہنم پر حرام قرار دے گا اور اس کیلئے جنت واجب کردے گا۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر دو فرشتے موکل کردے گا کہ جو اسے اس دنیا میں گناہوں سے بچائیں گے۔

اسی روایت کے آخر میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

> مجھ کو میرے والد علی ابن ابی طالبؑ نے اس دُعا کے زبانی یاد کرنے اور محفوظ کرنے کی وصیت کی ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اس کو اپنے کفن پر لکھوں اور اپنے اہل بیتؑ کو اس کو پڑھنے کی تعلیم دوں۔ یہ دُعا اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسماء وصفات پر مشتمل ہے کہ جس میں اسم اعظم بھی موجود ہے۔[1]

اس کے بعد محدث شیخ عباس قمیؒ نے وضاحت کی ہے کہ ان کو اس بارے میں کوئی سند نہیں مل سکی کہ اس دُعا کو ماہ رمضان المبارک میں خاص طور پر قدر کی شبوں میں پڑھا جائے۔ اگرچہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ چونکہ اس دُعا کو ماہ مبارک میں تین مرتبہ پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے، لہٰذا لوگوں نے اسے کئی برسوں سے آہستہ آہستہ (قدر کی) معروف راتوں میں ہی پڑھنا اپنا معمول بنالیا ہے۔

اس کے بعد شیخ عباس قمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علامہ مجلسیؒ کا اپنی کتاب زاد المعاد میں اس دعا کو ماہ مبارک رمضان کی خاص راتوں کے اعمال میں ذکر کرنا ہمارے لئے کافی ہے کہ دُعائے جوشن کبیر کو

---

[1] مفاتیح الجنان، ص ۸۶۔۸۷۔

خاص طور پر قدر کی تین راتوں میں پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔

دُعا کے ماٰخذ اور ترتیب

دُعائے جوشن کبیر کو بہت سے عظیم شیعہ علماء سے روایت کیا گیا ہے۔ علامہ مجلسیؒ نے ''بحار الانوار'' میں، ابراہیم بن علی الکفعمیؒ نے اپنی کتاب ''المصباح'' اور ''البلد الامین'' میں اس دُعا کو نقل کیا ہے۔

اس دُعا کے ایک سو بند (پیراگراف) ہیں اور ہر بند میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دس اسماء اور صفات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح سے اس دُعا میں مجموعی طور پر اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار اسماء وصفات کو ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔

ہر بند یعنی دس اسماء اور صفات کی تلاوت کے بعد یہ جملہ پڑھنے کی تاکید گئی ہے:

سُبْحَانَكَ يَا لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ الْغَوْثَ الْغَوْثَ خَلِّصْنَا مِنَ النَّارِ يَا رَبِّ۔

تو پاک ہے، اے خدا تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، میری مدد فرما، میری مدد فرما، اے پروردگار! ہم کو جہنم کی آگ سے آزاد فرما۔

تسبیح کا تصور

مندرجہ بالا جملہ کہ جو اس دُعا میں ایک سو مرتبہ تکرار ہوتا ہے، بہت اہم اور معنی خیز ہے۔ قرآن کریم کے مطابق جب حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تھے تو آپؑ نے ندامت کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے عفو وگزر کی درخواست کی۔ اس سلسلہ میں ہم قرآن مجید میں یوں پڑھتے ہیں:

﴿وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾

اور یونسؑ کو یاد کرو کہ جب وہ غصہ میں آکر چلے اور یہ خیال کیا کہ ہم ان پر گرفت نہ کریں گے، پس انہوں نے تاریکیوں میں جا کر آواز دی کہ: پروردگارا! تیرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے، تو پاک و بے نیاز ہے اور میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں میں سے تھا۔[1]

---

[1] سورۂ انبیاء، آیت ۸۷۔

اس دُعا کو اس طرح مانگنے کے بعد خداوند نے حضرت یونس علیہ السلام کی التجا کا مثبت جواب دیا اور انہیں شرف قبولیت بخشا۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ ۙ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ۚ وَكَذَٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ ﴾

تو ہم نے ان کی دُعا کو قبول کر لیا اور انہیں غم سے نجات دلا دی کہ ہم اسی طرح صاحبان ایمان کو نجات دلاتے رہتے ہیں۔[1]

اس آیت کی بنیاد پر مومنین کو بھی تاکید کی گئی ہے کہ وہ بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اسی طرح پکاریں:

﴿سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴾

پروردگارا! میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں میں تھا۔

یہ ذکر بہت ہی معروف ہے اور اسے علماء، ''ذکر یونسیہ'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس ذکر کے متعلق بہت تاکید کی گئی ہے کہ اسے بار بار اور خاص طور پر رات کے وقت ضرور پڑھنا چاہیے۔

دوسرے مقام پر قرآن مجید میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس داستان کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ﴿١٤٣﴾ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٤٤﴾﴾

پھر اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو روز قیامت تک اسی مچھلی کے شکم میں ہی رہتے۔[2]

اس آیہ مجیدہ کے مطابق یہ تسبیح ہی حضرت یونس علیہ السلام کی نجات کا سبب بنی کہ جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی اور تصدیق پر مبنی ہے۔

ایک اور نکتہ جو ہم پر تسبیح کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے، یہ ہے کہ فرشتے ہر وقت تسبیح میں مشغول رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اشارہ کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ

---

[1] سورۂ انبیاء، آیت ۸۸۔

[2] سورۂ صافات، آیت ۱۴۳۔ ۱۴۴۔

لَكَ ۖ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾

جب تمہارے پروردگار نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا کہ: کیا اسے بنائے گا جو زمین میں فساد برپا کرے گا اور خونریزی کرے گا جبکہ ہم تیری تسبیح اور تقدیس کرتے ہیں تو ارشاد ہوا کہ: میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔[1]

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے:

﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا ۖ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٧﴾﴾

جو فرشتے عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد معین ہیں، سب حمد خدا کی تسبیح کر رہے ہیں اور اسی پر ایمان رکھتے ہیں اور صاحبان ایمان کیلئے استغفار کر رہے ہیں کہ خدایا! تیری رحمت اور تیرا علم ہر شے پر محیط ہے، لہٰذا ان لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستے کی اتباع کی ہے اور انہیں جہنم کے عذاب سے بچا لے۔[2]

قرآن مجید کے مطابق جنت میں سکونت کی یاد بھی تسبیح کا درجہ رکھتی ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

﴿دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠﴾﴾

وہاں (جنت) میں ان کا قول یہ ہوگا کہ خدایا تو پاک اور بے نیاز ہے اور ان کا تحفہ سلام ہوگا اور ان کا آخری بیان یہ ہوگا کہ: ''ساری تعریف خدائے رب العالمین کیلئے ہے''۔[3]

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۳۰۔

[2] سورۂ مومن، آیت ۷۔

[3] سورۂ یونس، آیت ۱۰۔

پس تسبیح اور حمد دو ایسے اعمال ہیں کہ جن کو ملائکہ اور مومنین انجام دیتے ہیں۔ ہم اپنی نمازوں میں اسی ترتیب کو مدنظر رکھتے ہوئے رکوع میں کہتے ہیں: سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ وَ بِحَمْدِہٖ: (میرا پروردگار ہر نقص وعیب سے پاک ہے جو بڑی عظمت والا ہے اور اسی کیلئے ہر تعریف ہے) اور جب سجدہ میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں: سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی وَ بِحَمْدِہٖ: (میرا پروردگار ہر چیز سے بلند و بالا اور ہر عیب سے پاک ومنزہ ہے اور اسی کیلئے ہر تعریف ہے)۔

پس فرشتوں اور جنت میں سکونت اختیار کرنے والوں کی طرح ہم بھی تسبیح کے ساتھ شروع کرتے ہیں اور اس میں حمد بھی شامل کرتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تسبیح میں بہت زیادہ طاقت رکھی ہے۔ بعض روایات کے مطابق فرشتے تسبیح کے ذریعے اپنی طاقت حاصل کرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ملتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

طَعَامُهُمُ التَّسْبِيْحُ۔

ان (فرشتوں) کی غذا تسبیح ہے۔[1]

تصورِ دُعا اور اس کا حقیقی مطلب

یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ پوری دُعائے جوشن کبیر میں صرف ایک ہی دُعا مانگی جاتی ہے اور اسے مسلسل دہرایا جاتا ہے، جبکہ دُعا کے بقیہ حصہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسماء وصفات کے ساتھ اس کو پکارا جاتا ہے۔ اس سے یہ بات ہمیں معلوم ہوتی ہے کہ بہت سے لوگوں کی سوچ کے برخلاف دُعا کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ خداوند سے کسی چیز کا مطالبہ کیا جائے، بلکہ اس کا مطلب خداوند کو پکارنا ہے، چاہے خداوند سے کوئی چیز مانگی ہی نہ جائے۔

اس کے باوجود ہم جب بھی خداوند کو پکارتے ہیں، ہم ضرور اپنی حاجات طلب کرتے ہیں۔ بہرحال ہم چونکہ محتاج مخلوق ہیں اور وہ ہمارا بے نیاز خالق ہے، اس لئے بہت سے لوگ اسی کو خداوند سے دُعا مانگنے کا مقصد سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جو خداوند سے محبت نہیں کرتے، جب بھی خداوند سے

---

[1] بحار الانوار، ج ۵۷، ص ۲۴۹۔

دُعا کرتے ہیں تو ضرور اپنی حاجت طلب کرتے ہیں، کیونکہ وہ اس عظیم موقع کو ضائع نہیں کرنا چاہتے، لہٰذا یہ ایک فطری بات ہے کہ ہر دُعا ایک حاجت کے ساتھ جڑی ہوئی ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ دُعا کا لغوی مطلب پکارنا ہے اور دوسری جانب اجابت کا مطلب، جواب دینا ہے۔ البتہ جواب دینے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ پکارنے والے کو کوئی چیز بھی دی جائے۔ جیسے جب کسی کو بلاتے ہیں اور وہ آپ کو جواب دیتا ہے تو اسے ہی اجابت کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد اگر آپ ان سے کوئی چیز مانگتے ہیں تو ان کی مرضی ہے، چاہے تو وہ آپ کی ضرورت کو پورا کریں یا نہ کریں، لیکن انہوں آپ کے بلانے پر جواب ضرور دیا تھا۔

اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو جب کوئی پکارتا ہے تو خداوند اس کا جواب ضرور دیتا ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ یا تو اس کی دُعا کو اس دنیا میں جلد یا کچھ تاخیر کے ساتھ پورا کرتا ہے یا پھر اس کو اس آخرت میں اس سے زیادہ بہتر عطا کرتا ہے۔ روایات میں ملتا ہے:

مَنْ اُعْطِیَ الدُّعَآءَ اُعْطِیَ الْاِجَابَۃَ۔

جس کو اللہ تعالیٰ کو پکارنے کی توفیق ہو جائے تو اس کی دُعا بھی قبول ہوتی ہے۔[1]

ایک معروف حدیث قدسی میں جسے ''قرب النوافل'' کہا جاتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدٌ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ وَ اِنَّہٗ لَیَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّافِلَۃِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَآ اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَ بَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَلِسَانَہُ الَّذِیْ یَنْطِقُ بِہٖ وَ یَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا اِنْ دَعَانِیْ اَجَبْتُہٗ وَاِنْ سَئَلَنِیْ اَعْطَیْتُہٗ۔

کوئی چیز بھی میرے بندے کو واجبات کی طرح مجھ سے زیادہ نزدیک نہیں کرتی اور اس کے بعد کوئی چیز مستحبات کی حد تک نہیں پہنچتی، ان مستحبات کی وجہ سے بندہ مجھ سے اتنا زیادہ نزدیک ہوتا ہے کہ میں اسے چاہنے لگتا ہوں اور جب میں اسے

---

[1] الکافی، ج ۲، ص ۶۵۔

چاہنے لگتا ہوں تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں کہ جس کے ساتھ وہ سنتا ہے،
میں اس کی بینائی بن جاتا ہوں کہ جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے، میں اس کی زبان بن
جاتا ہوں جس کے ذریعہ وہ بولتا ہے، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ
وہ کام کرتا ہے۔ اگر مجھے وہ پکارے گا تو میں اس کی اجابت کروں گا اور اگر مجھ سے
وہ کچھ مانگے گا تو میں اس کو عطا کروں گا۔[1]

اسم اعظم کا تصور

اس دُعا میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ایک ہزار اسماء وصفات ذکر ہوئے ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم بھی موجود ہے۔ اگر کوئی اسم اعظم جانتا ہو تو وہ جو بھی دُعا کرے اس کی دُعا قبول ہوتی ہے۔ دوسری جانب اسم اعظم قرآن مجید میں بھی ہے۔ شب قدر کی دُعا میں ہم یوں پڑھتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِمَا فِیْهِ وَ فِیْهِ اسْمُكَ الْاَكْبَرُ وَ اَسْمَآؤُكَ الْحُسْنٰى۔

پروردگارا! میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں اس چیز کے صدقہ میں کہ جو اس قرآن
کریم میں ہے اور اس میں تیرا اسم اعظم ہے اور تیرے نیک نام ہیں۔[2]

پس اسم اعظم کو خداوند کے ان اسماء وصفات میں سے ڈھونڈا جا سکتا ہے جن کا دونوں یعنی دُعائے جوشن کبیر اور قرآن مجید میں تذکرہ ہوا ہے، لیکن ان میں سے کونسا نام اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اسم اعظم ہے؟ تو میرے خیال کے مطابق اسم اعظم، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ناموں میں چھپا ہوا نام ہے اور یہ اجنبی نہیں ہے، بلکہ یہ ان ناموں میں سے ایک ایسا ربانی نام ہے کہ جس کے ذریعہ ہم ہر وقت خداوند کو بلاتے ہیں۔ بطور مثال آپ ایک پاسورڈ (خفیہ کوڈ) کا تصور کریں کہ جو عام اعداد پر مشتمل ہے اور وہ صفر سے لیکر نو تک کے اعداد کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اس میں سب سے زیادہ جو چیز اہم ہے وہ ان اعداد کا ترتیب کے ساتھ جوڑنا ہے۔ جب تک ترتیب کا پتہ نہ ہوگا تو اس وقت تک ہمیں پاسورڈ کا علم بھی نہ ہوگا۔ یہاں تک

---

[1] الکافی، ج ۲، ص ۳۵۲۔

[2] مکارم اخلاق، ص ۳۳۰۔

کہ اگر ہمیں سب اعداد کا علم ہو کہ جن پر یہ پاسورڈ مشتمل ہے، تو بھی اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ اس کیلئے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ خداوند کے کس نام کو کتنی مرتبہ اور کب پکارا جائے۔

اس دُعا میں موجود تمام ایک ہزار اسماء اور صفات خوبصورتی کے ساتھ بڑے گہرے معانی بھی رکھتے ہیں۔ ان کے معانی اور مفاہیم کا صحیح ادراک کرنے کیلئے نہایت گہرائی کی ضرورت ہے۔

اس مختصر مقالے میں ہم دُعا کے ایک دو بند ذکر کریں گے جن میں سے ایک میں ''نور'' کی طرف توجہ کی گئی ہے اور دوسرے میں ''حیات اور زندگی'' کا تذکرہ موجود ہے۔

بند نمبر ۴۷ میں ''نور'' کا بیان

اس دعا کے ۴۷ ویں بند میں اللہ سبحانہ وتعالی کے تمام ان ناموں کا تذکرہ ہوا ہے جن کا تعلق ''نور'' سے ہے۔ دُعا میں یوں ارشاد ہے:

يَا نُوْرَ النُّوْرِ، يَا مُنَوِّرَ النُّوْرِ، يَا خَالِقَ النُّوْرِ، يَا مُدَبِّرَ النُّوْرِ، يَا مُقَدِّرَ النُّوْرِ، يَا نُوْرَ كُلِّ نُوْرٍ، يَا نُوْرًا قَبْلَ كُلِّ نُوْرٍ، يَا نُوْرًا بَعْدَ كُلِّ نُوْرٍ، يَا نُوْرًا فَوْقَ كُلِّ نُوْرٍ، يَا نُوْرًا لَيْسَ كَمِثْلِهٖ نُوْرٌ۔

اے ہر نور کے نور، اے نور کے روشن کرنے والے، اے نور کے خالق، اے نور کے مدبر، اے نور کی تقدیر کرنے والے، اے ہر نور کے نور، اے ہر نور سے پہلے نور، اے ہر نور کے بعد نور، اے ہر نور سے بلند نور، اے وہ نور کہ جس کے مثل کوئی نور نہیں۔

اس بند کے پہلے حصہ میں خداوند کو ''نور النور'' کہا گیا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ ہر قسم کا نور اس کی ذات کی طرف سے آتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید ارشاد ہے:

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ

لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۳۵﴾

اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال اس طاق کی سی ہے کہ جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشہ کی قندیل میں ہو اور قندیل ایک جگمگاتے ستارے کی مانند ہو جو زیتون کے بابرکت درخت سے روشن کیا جائے، جو نہ مشرق والا ہو اور نہ مغرب والا ہو اور قریب ہے کہ اس کا روغن بھڑک اٹھے، چاہے اسے آگ مس نہ بھی کرے، یہ نور بالائے نور ہے اور اللہ اپنے نور کیلئے جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے اور اسی طرح مثالیں بیان کرتا ہے اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔[1]

''مدبر النور'' کا مطلب یہ ہے کہ جو نور کو مرتب کرتا ہے اور جو تشخیص دیتا ہے کہ کس چیز کو کتنا نور عطا کرنا ہے اور کس کو کم نور دینا ہے۔

''مدبر النور'' وہ ہوتا ہے کہ جو ہر چیز کے نور کو پابندی کے ساتھ برقرار کرتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہر چیز کو نور کے ایک حصہ کے ساتھ خلق کیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱﴾﴾

ساری تعریف اس اللہ کیلئے ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور تاریکیوں اور نور کو مقرر کیا ہے۔ اس کے بعد بھی کفر اختیار کرنے والے دوسروں کو اس کے برابر قرار دیتے ہیں۔[2]

دُعائے کمیل میں بھی ہر چیز کے نور کو ربانی نور کے ساتھ متصف کیا ہے۔ مولا علیؑ فرماتے ہیں:

وَبِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ اَضَآءَ لَهٗ كُلُّ شَیْءٍ۔

اور تیری ذات کے نور کے واسطہ سے کہ جس کی وجہ سے ہر چیز روشن ہے۔[3]

---

[1] سورۂ نور، آیت ۳۵۔

[2] سورۂ انعام، آیت ۱۔

[3] مفاتیح الجنان، دُعائے کمیل۔

پس ہر چیز کی چمک جبکہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف رخ کئے ہوتو وہ وجہ اللہ بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر چیز میں استعداد پائی جاتی ہے کہ وہ ہمیں خداوند کی طرف ہدایت کر سکے۔ اسی لئے ہم قرآن مجید میں پڑھتے ہیں:

﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿١١٥﴾﴾

اور اللہ کیلئے مشرق بھی ہے اور مغرب بھی، لہٰذا تم جس جگہ بھی قبلہ کا رخ کرلو گے سمجھو وہیں خدا موجود ہے۔ وہ صاحب وسعت بھی ہے اور صاحب علم بھی۔[1]

دُعا کے بند نمبر ۷۰ میں زندگی کا مفہوم

دُعائے جوشن کبیر کے ۷۰ ویں بند کا محور ''حیات اور زندگی'' ہے۔ ارشاد ہے:

يَا حَيًّا قَبْلَ كُلِّ حَيٍّ. يَا حَيًّا بَعْدَ كُلِّ حَيٍّ. يَا حَيُّ الَّذِيْ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ حَيٌّ. يَا حَيُّ الَّذِيْ لَا يُشَارِكُهٗ حَيٌّ. يَا حَيُّ الَّذِيْ لَا يَحْتَاجُ اِلٰى حَيٍّ. يَا حَيُّ الَّذِيْ يُمِيْتُ كُلَّ حَيٍّ. يَا حَيُّ الَّذِيْ يَرْزُقُ كُلَّ حَيٍّ. يَا حَيًّا لَمْ يَرِثِ الْحَيٰوةَ مِنْ حَيٍّ. يَا حَيُّ الَّذِيْ يُحْيِي الْمَوْتٰى. يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔

اے سب زندوں سے پہلے زندہ، اے سب زندوں کے بعد زندہ، اے وہ زندہ جس کے مثل کوئی زندہ نہیں ہے، اے وہ زندہ جس کا کوئی شریک نہیں ہے، اے وہ زندہ جو کسی زندہ کا محتاج نہیں، اے وہ زندہ جو ہر زندہ کو موت دیتا ہے، اے وہ زندہ جو ہر زندہ کو رزق دیتا ہے، اے وہ زندہ جس نے کسی زندہ سے زندگی نہیں پائی، اے وہ زندہ جو مردوں کو زندہ کرتا ہے، اے زندہ، اے قائم جو نہ اونگھتا ہے اور نہ اسے نیند آتی ہے۔

خداوند کی مختلف صفات میں ''حیات'' اس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ اس کو بعض اوقات توحید کے فوراً

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۱۵۔

بعد ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیت الکرسی کی ابتدا میں ارشاد ہے:

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ﴾

اللہ کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے، زندہ بھی ہے اور اسی سے کل کائنات قائم ہے۔[1]

یہ آیہ مجیدہ واضح کر رہی ہے کہ اگر (نعوذ باللہ) اللہ سبحانہ وتعالیٰ ''حی'' نہ ہوتا تو وہ پوری کائنات اور مخلوقات کو کس طرح سے قائم رکھ سکتا تھا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں ایک اور مقام پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حیات کو توحید سے بھی پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝﴾

وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے، لہٰذا تم لوگ اخلاص دین کے ساتھ اس کی عبادت کرو کہ ساری تعریف اسی عالمین کے پالنے والے خداوند کیلئے ہے۔[2]

یَا حَیُّ الَّذِیْ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ حَیٌّ: ''اے وہ زندہ جس کے مثل کوئی زندہ نہیں ہے''۔

یہ جملہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ کسی بھی زندہ اور حی کی زندگی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کمال کی زندگی سے مشابہت نہیں رکھتی۔ بطور مثال: انسانوں کی زندگی ہمیشہ خطرے میں رہتی ہے۔ انسان بعض موقعوں پر بیمار ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ بیمار نہ بھی ہو تب بھی حسب معمول زندگی کے آخری مرحلہ تک پہنچ کر موت کی نیند سو جاتا ہے۔

یَا حَیُّ الَّذِیْ لَا یَحْتَاجُ اِلٰی حَیٍّ: ''اے وہ زندہ جو کسی زندہ کا محتاج نہیں''۔

یہ جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خداوند کی ذات کے علاوہ جو بھی چیز حیات رکھتی ہے، اس کو کسی اور حی ذات کی ضرورت ہے۔ انسانوں کی ابتدا ہوئی ہی اسی لئے ہے کہ اس کی نسل کا سلسلہ باقی رہے، لیکن یہ دوسرے انسانوں، حیوانوں اور درختوں کی مدد سے باقی رہیں۔ حیوانات کی نسل کا سلسلہ بھی اسی طرح دوسرے حیات رکھنے والوں سے جڑا ہوا ہے۔

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۵۔

[2] سورۂ مومن، آیت ۶۵۔

یَا حَیُّ الَّذِیْ یُمِیْتُ کُلَّ حَیٍّ: ''اے وہ زندہ جو ہر زندہ کو موت دیتا ہے''۔

یہ جملہ اس قرآنی اصول کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ زندگی خداوند کی طرف سے عطا کی گئی ہے اور پھر اسی کی طرف واپس لوٹا دی جائے گی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی قتل بھی ہوتا ہے تو یہ قاتل نہیں ہے کہ جو ہلاک ہونے والے کی جان لیتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے جرم کی وجہ سے یہ شخص ہلاک ہوا ہے، لیکن جب تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اجازت نہ ہو اس وقت تک وہ ہلاک نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کی داستان میں ملتا ہے کہ آپؑ کے دشمن نمرود نے جب دعویٰ کیا کہ موت وحیات کا اختیار اس کے پاس ہے تو آپؑ نے مضبوط دلیل سے اس کے دعویٰ کو رد کر دیا۔ ارشاد رب العزت ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۝۲۵۸﴾

کیا تم نے اس کے حال پر نظر نہیں کی جس نے ابراہیمؑ سے ان کے پروردگار کے بارے میں صرف اس بات پر بحث کی کہ خدا نے اسے اقتدار دیا تھا، جب ابراہیمؑ نے یہ کہا کہ میرا خدا زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے تو اس نے کہا کہ: یہ کام میں بھی کر سکتا ہوں تو ابراہیم نے کہا کہ میرا خدا مشرق سے آفتاب نکالتا ہے، تو اسے مغرب سے نکال دے تو کافر ہکا بکا رہ گیا اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔[1]

اللہ تعالیٰ نے نمرود کو دکھا دیا کہ وہ اپنے دعوے میں غلط ہے۔ جب نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عظیم آگ میں پھینک کر قتل کرنے کی کوشش کی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے درمیان ہی محفوظ کر لیا۔ اس طرح یہ بات سب پر واضح ہوگئی کہ یہ فقط خداوند کی ذات ہی ہے کہ جو زندگی عطا کرتی ہے اور پھر موت دے دیتی ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید میں یوں ارشاد ہے:

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۸۔

﴿قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ۝ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ۝﴾

ان لوگوں نے کہا کہ ابراہیمؑ کو آگ میں جلا دو اور اگر کچھ کرنا چاہتے ہو تو اس طرح اپنے خداؤں کی مدد کرو۔ پس ہم نے بھی حکم دیا کہ اے آگ! ابراہیمؑ کیلئے سرد ہو جا اور سلامتی کا سامان بن جا۔[1]

يَا حَيًّا لَمْ يَرِثِ الْحَيٰوةَ مِنْ حَيٍّ: ''اے زندہ جس نے کسی زندہ سے زندگی نہیں پائی''۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کے علاوہ باقی ہر زندہ اور ذی روح چیز اپنی حیات کو کسی اور زندہ چیز سے اخذ کرتی ہے۔ جیسا کہ سب انسانوں، جانوروں اور درختوں کی حیات کا دارومدار ان سے پہلے کسی اور زندہ مخلوق پر ہے۔

آخر میں دعائے جوشن کبیر کا چودھواں بند ذکر کر کے اس مقالے کا اختتام کرتے ہیں۔ ہماری نظر میں یہ بند اس دُعا کے خوبصورت ترین حصوں میں سے ہے۔ ارشاد ہے:

يَا دَلِيْلَ الْمُتَحَيِّرِيْنَ. يَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيثِيْنَ. يَا صَرِيْخَ الْمُسْتَصْرِخِيْنَ. يَا جَارَ الْمُسْتَجِيْرِيْنَ. يَا اَمَانَ الْخَآئِفِيْنَ. يَا عَوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. يَا رَاحِمَ الْمَسَاكِيْنَ. يَا مَلْجَأَ الْعَاصِيْنَ. يَا غَافِرَ الْمُذْنِبِيْنَ. يَا مُجِيْبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّيْنَ۔

اے بھٹکے ہوؤں کے رہنما، اے فریاد کرنے والوں کے فریادرس، اے فریاد کرنے والوں کی فریاد سننے والے، اے مدد چاہنے والوں کی مدد کرنے والے، اے خوفزدوں کی امان، اے مومنوں کے مددگار، اے مسکینوں پر رحم کرنے والے، اے نافرمانوں کی جائے پناہ، اے گنہگاروں کے بخشنے والے، اے پریشان لوگوں کی دُعاؤں کے قبول کرنے والے۔

*****

[1] سورۂ انبیاء، آیت ۶۸۔۷۰۔

قسط:10

شیعہ اسلامی عقائد

{امام شناسی}

از: علامہ سیّد محمد حسین طباطبائیؒ

امام کے معنی

''امام'' یا ''پیشوا'' کا لقب اس شخص کو دیا جاتا ہے جو کسی مخصوص معاشرتی تحریک یا سیاسی نظریے یا علمی یا دینی طرز فکر میں کسی جماعت کی رہنمائی کرتا ہے۔ قدرتی طور پر اس تعلق کی بنا پر جو اس کے اور ان لوگوں کے مابین ہوتا ہے جن کی وہ رہنمائی کرتا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ وہ اہم اور ثانوی معاملات میں اپنے اعمال اور ان کی صلاحیتوں کے درمیان مطابقت پیدا کرے۔

جیسا کہ گزشتہ ابواب سے ظاہر ہے، اسلام لوگوں کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے احکام جاری کرتا ہے۔ یہ جہاں انسان کی زندگی کا روحانی نقطہ نگاہ سے مطالعہ کرتے ہوئے اس کی رہنمائی کرتا ہے، وہیں یہ فرد کی مادی زندگی اور اس کے نظم ونسق میں دخل انداز ہوتا ہے اور اسی طرح اس کی اجتماعی زندگی اور اس کے نظم وضبط (حکومت) میں بھی مداخلت کرتا ہے۔

بنابریں اسلام میں امامت اور دینی پیشوائی کا مطالعہ تین پہلوؤں سے کیا جاسکتا ہے:

۱۔ اسلامی حکومت کے نقطہ نگاہ سے

۲۔ اسلامی علوم اور احکام کے نقطہ نگاہ سے

۳۔ روحانی رہنمائی کے نقطہ نگاہ سے

اہل تشیّع کا اعتقاد ہے کہ چونکہ اسلامی معاشرے کو ان تینوں نقطہ ہائے نگاہ سے ہدایت کی

اشد ضرورت ہے، لہٰذا جو شخص مذکورہ تینوں پہلوؤں سے امت کی راہنمائی کی باگ ڈور سنبھالے گا، اس کا تقرر لازمی طور پر خدا اور اس کے رسولؐ کی جانب سے ہونا چاہیے اور اگر پیغمبر اکرم ﷺ اس عہدے کیلئے کسی کا تقرر کرتے ہیں تو وہ بھی بلاشبہ اللہ کے حکم سے ہوگا۔

امامت اور جانشینی رسولؐ اور حکومت اسلامی

انسان اپنی خداداد فراست کی بدولت یہ بات کسی شک و شبہ کے بغیر سمجھ سکتا ہے کہ کوئی بھی منظم معاشرہ مثلاً ملک، شہر یا گاؤں یا قبیلہ حتی کہ کوئی گھر جس میں چند افراد رہتے ہوں، ایک سرپرست اور حاکم کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ ہر معاشرے کو ایک پیشوا کی ضرورت ہوتی ہے جو معاشرے کے افراد کو اپنی سماجی ذمہ داریاں پوری کرنے کی رغبت دلائے۔ کسی ایسے حاکم کے بغیر معاشرے کا شیرازہ تھوڑی ہی مدت میں بکھر جاتا ہے اور افراتفری پھیل جاتی ہے۔

پس جو شخص کسی چھوٹے یا بڑے معاشرے کا حاکم یا پیشوا ہو اگر وہ اپنے مقام یا معاشرے کی بقا میں دلچسپی رکھتا ہو تو جب کبھی وہ عارضی طور پر اپنے فرائض انجام دینے سے کنارہ کش ہوتا ہے تو اپنا جانشین ضرور مقرر کرتا ہے۔ وہ اس بات پر آمادہ نہیں ہوتا کہ اپنی حکومت کو لاپرواہی سے خیر باد کہہ دے اور لوگوں کی خوشحالی و بربادی سے بے نیاز ہو جائے۔ اگر کسی گھر کا سرپرست چند دنوں کیلئے سفر پر جاتا ہے تو گھر کا انتظام چلانے کیلئے اپنے خاندان کے کسی فرد یا کسی شخص کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہے اور گھر کا نظم و نسق اس کے سپرد کرتا ہے۔ کسی ادارے کا سربراہ یا اسکول کا پرنسپل یا دکان کا مالک اگر چند گھنٹوں کیلئے غیر حاضر ہونا چاہے تو کسی نہ کسی کو اپنا نمائندہ ضرور مقرر کرتا ہے۔

اسی طرح اسلام بھی ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد قرآن اور سنت کے مطابق اشیاء کی بنیادی فطرت پر رکھی گئی ہے اور جیسا کہ اپنے پرائے ہر مشاہدہ کرنے والے پر واضح ہے، اس دین کا تعلق اجتماعی زندگی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اس دین کی اجتماعیت پر توجہ دی ہے۔ اس حقیقت سے نہ انکار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس سے چشم پوشی کی جا سکتی ہے۔

یہ اسلام کا ایک ایسا روپ ہے جس کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جہاں کہیں اسلام کو اثر و رسوخ

حاصل ہوا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سماجی گروہ تشکیل دینے کے مسئلے کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ جب کبھی کوئی شہر یا قریہ اسلامی قلمرو میں شامل ہوتا تو آپ جس قدر جلدی ممکن ہوتا وہاں کا ایک والی یا حاکم مقرر کرتے اور مسلمانوں کے معاملات کا انتظام اس کے سپرد کر دیتے[1]۔ آپؐ جب کبھی کسی اہم عسکری مہم (جہاد) کا حکم دیتے اس کیلئے ایک سے زیادہ سالار مقرر کرتے اور مقدم اور مؤخر کے لحاظ سے ان کی ترتیب بھی معین فرما دیتے، حتیٰ کہ جنگ موتہ میں آپؐ نے چار سپہ سالار مقرر کئے تا کہ اگر ان میں سے ایک قتل ہو جائے تو دوسرا اور اگر دوسرا قتل ہو جائے تو تیسرا سپہ سالار اور سردار کے فرائض انجام دے اور اسی طرح پھر چوتھا۔[2]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانشینی کے معاملے میں گہری دلچسپی لیتے تھے اور جب کبھی ضروری ہوتا جانشین کا تقرر فرماتے تھے۔ جب کبھی آپؐ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو وہاں اپنا ایک نمائندہ چھوڑ کر جاتے تھے[3]، حتیٰ کہ جب آپؐ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی اور صورت حال واضح نہیں تھی، تب بھی آپؐ نے ان چند دنوں کیلئے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔[4]

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بھی حضرت علی علیہ السلام آپؐ کے قرضوں اور دوسرے معاملات کیلئے آپؐ کے جانشین تھے۔[5]

اسی بنا پر اہل تشیع دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ امر قرین قیاس نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وصال سے پہلے اپنا کوئی جانشین مقرر نہ کیا ہو اور کسی ایسے رہنما کا انتخاب نہ کیا ہو جو آپؐ کے بعد مسلمانوں کے معاملات کا نظم و نسق سنبھالے اور اسلامی معاشرے کے پہیوں کو حرکت میں لائے۔

انسان کی بنیادی فطرت کو اس امر کی قدر و قیمت اور اہمیت میں کوئی شک نہیں کہ معاشرے کے وجود

---

[1] تاریخ یعقوبی، ج ۳، ص ۶۱۔ ۶۲۔ سیرت النبیؐ، ابن ہشام، ج ۴، ص ۱۹۷۔

[2] تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۵۲۔ ۵۹۔ سیرت النبیؐ، ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۲۳۔

[3] تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۵۹۔ ۶۰ اور ص ۴۴۔ سیرت النبیؐ، ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۵۱، ج ۴، ص ۱۷۳، ص ۲۷۲۔

[4] تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۲۹۔ تاریخ ابن الفداء، ج ۱، ص ۱۲۶۔ سیرت النبیؐ، ابن ہشام، ج ۲، ص ۹۸۔

[5] غایۃ المرام، ص ۶۶۴۔ مسند احمد بن حنبل اور دوسری کتابوں سے ماخوذ۔

کا دارومدار کچھ مشترک قواعد وضوابط اور رسوم پر ہے جنہیں اس معاشرے کے مختلف طبقوں کی اکثریت عملاً قبول کرتی ہے اور معاشرے کی بقاء کا انحصار ایک ایسی عادل حکومت پر ہوتا ہے جو ان قواعد کو مکمل طور پر نافذ کرے۔ کوئی باشعور شخص اس حقیقت کے وسیع اور دقیق ہونے اور اس کی اہمیت اور قدر و قیمت سے بھی انکار نہیں کرسکتا جو رسول اکرمؐ کے نزدیک اسے حاصل تھی اور جس کے اجر اور بقاء کی خاطر آپؐ نے بے شمار قربانیاں دیں اور نہ ہی رسول اکرمؐ کی ذہنی قابلیت، عقل کے کمال، صحیح رائے اور قوت تدبیر کے بارے میں کوئی بحث کی جاسکتی ہے۔ (حالانکہ ان صفات کی تائید وحی اور نبوت سے ہوتی ہے)۔

ان متواتر احادیث کے مطابق جو سنی اور شیعہ محدثین نے حدیث کی کتابوں میں (فتنہ وفساد کے باب میں) نقل کی ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان فتنوں اور مصائب کے متعلق جن سے ملت اسلامیہ آپؐ کی وفات کے بعد دو چار ہونے والی تھی اور ان خرابیوں کے بارے میں جو اسلام میں رخنہ پیدا کرنے والی تھیں، مثلاً آل مروان وغیرہ کی حکومت کہ جنہوں نے اس مقدس دین کو اپنی ہوئی وہوس کا بازیچہ بنالیا تھا، تفصیل سے خبر دی تھی۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ ان حوادث اور مصائب کے بارے میں تو غفلت نہ برتیں اور ان کا ذکر کریں جو ان کی وفات کے کئی سال بعد بلکہ ہزاروں سال بعد رونما ہونے والے تھے، لیکن ان اہم ترین حالات سے جو ان کی وفات کے فوراً بعد پیش آنے والے تھے غفلت برتیں اور اس امر کو جو ایک طرف سے بالکل سادہ اور واضح تھا اور دوسری طرف سے بے حد اہم تھا، ناقابل توجہ سمجھیں اور فطری اور معمولی کاموں مثلاً کھانے پینے اور سونے کے متعلق تو سینکڑوں احکام دیں اور اس اہم مسئلے پر سکوت اختیار کریں اور کسی کو اپنا جانشین مقرر نہ کریں۔

اگر بفرض محال ہم اس بات کو تسلیم کر بھی لیں (جسے شیعیت تسلیم نہیں کرتی) کہ شریعت نے اسلامی معاشرے کا سربراہ مقرر کرنے کا اختیار خود مسلمانوں کو دے دیا تھا، تب بھی یہ لازم تھا کہ رسول اکرمؐ اس امر کی وضاحت فرماتے اور اس کے متعلق ضروری ہدایات دیتے تاکہ لوگ اس مسئلے کے بارے میں پورے طور پر آگاہ ہوجاتے جس پر اسلامی معاشرے کی زندگی اور ترقی اور شعائر دین کی بقاء کا دارومدار تھا۔ تاہم اس قسم کی کسی حدیث نبوی یا دینی حکم کا وجود نہیں ہے۔ اگر کوئی ایسی چیز ہوتی تو جن لوگوں نے

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عنان اختیار سنبھالی اس کی مخالفت نہ کرتے، جبکہ صورت یہ ہے کہ پہلے خلیفہ نے وصیت کے ذریعے خلافت دوسرے خلیفہ کو منتقل کر دی اور دوسرے خلیفہ نے تیسرے خلیفہ کے انتخاب کیلئے ایک چھ رکنی مجلس شوری مقرر کی جس کا طریق کار اور قواعد وضوابط انہوں نے خود متعین کئے۔ پھر امیر شام نے حضرت امام حسن علیہ السلام کو صلح کرنے پر مجبور کیا اور یوں خلافت خود سنبھال لی۔ اس واقعہ کے بعد خلافت موروثی سلطنت میں تبدیل ہوگئی۔ رفتہ رفتہ صدر اسلام کے شعائر دین (مثلا جہاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور نظام عدل کی اسلامی حدود وقوانین) کمزور پڑ گئے، بلکہ مسلمانوں کی سیاسی زندگی سے مفقود ہو گئے اور یوں پیغمبر اکرم ﷺ کی مساعی پر پانی پھر گیا۔

شیعیت نے انسان کی بنیادی فطرت اور غیر منقطع عاقلانہ سیرت کا مطالعہ کیا ہے جو بنی نوع انسان میں زندہ رہی ہے۔ اس نے اسلام کے بنیادی نظریات پر غور کیا ہے جن کا مقصد انسانی فطرت کا احیاء ہے۔ اس نے ان طریقوں کے بارے میں تحقیق کی ہے جو رسول اکرم ﷺ نے لوگوں کی ہدایت کیلئے استعمال کئے۔ اس نے ان مصائب کا مطالعہ بھی کیا ہے جو آنحضرت ﷺ کی رحلت کے بعد اسلام اور مسلمانوں پر وارد ہوئے اور جن کی کڑیاں ہجرت کے بعد کی ابتدائی صدیوں کی اسلامی حکومتوں کی کوتاہی اور غفلت سے ملتی ہیں۔ اس تمام تحقیق کے بعد یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ امام اور جانشین رسولؐ کے تقرر کے بارے میں آنحضرتؐ کی کافی احادیث موجود ہیں۔ اس نتیجے پر قرآنی آیات اور متواتر قطعی احادیث مثلاً آیت ولایت، حدیث غدیر، حدیث سفینہ، حدیث ثقلین، حدیث حق، حدیث منزلت، حدیث دعوت عشیرۃ الاقربین وغیرہ دلالت کرتی ہیں۔ تاہم اہل تسنن اور اہل تشیّع نے ان احادیث کو جن میں سے اکثر و بیشتر اہل سنت کیلئے بھی قابل قبول ہیں، یکساں معنی نہیں پہنائے ورنہ جانشینی کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہوتا۔ جہاں اہل تشیّع ان احادیث کو رسول اکرم ﷺ کی جانب سے جانشینی کے متعلق ایک واضح اشارہ سمجھتے ہیں وہاں اہل سنت ان کا مطلب کچھ اور لیتے ہیں اور جانشینی کا مسئلہ وہیں کا وہیں رہ جاتا ہے۔

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی خلافت کے اثبات کیلئے اہل تشیّع مندرجہ ذیل آیت سمیت کئی ایک آیات قرآنی سے استفادہ کرتے ہیں:

﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾

تمہارے ولی الامر اور صاحب اختیار فقط اللہ اور اس کا رسولؐ اور وہ مومنین ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکات دیتے ہیں۔[1]

سنی اور شیعہ محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی تھی اور بہت سی شیعہ سنی روایات اس خیال کی تائید کرتی ہیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

اِنِّیْ صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا صَلٰوةَ الظُّهْرِ. فَسَئَلَ سَآئِلٌ فِي الْمَسْجِدِ. فَلَمْ يُعْطِهِ اَحَدٌ شَيْئًا. فَرَفَعَ السَّآئِلُ يَدَهٗ اِلَى السَّمَآءِ. وَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَشْهَدُ اَنِّیْ سَئَلْتُ فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُعْطِنِیْ اَحَدٌ شَيْئًا. وَ كَانَ عَلِیٌّ رَاكِعًا. فَاَوْمَاَ بِخِنْصَرِهِ الْيُمْنٰى. وَ كَانَ مُتَخَتِّمًا فِيْهَا. فَاَقْبَلَ السَّآئِلُ حَتّٰى اَخَذَ الْخَاتَمَ. وَذٰلِكَ بِعَيْنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ رَفَعَ رَاْسَهٗ اِلَى السَّمَآءِ. وَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اِنَّ مُوْسٰى سَئَلَكَ وَ قَالَ: ﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۝ وَ يَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ۝ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۝ وَ اجْعَلْ لِّیْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ۝ هٰرُوْنَ اَخِی ۝ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ ۝ وَ اَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ ۝﴾[2] فَاَنْزَلْتَ عَلَيْهِ قُرْاٰنًا نَّاطِقًا: ﴿قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ﴾[3]. اَللّٰهُمَّ وَ اَنَا مُحَمَّدٌ نَّبِيُّكَ وَ صَفِيُّكَ. اَللّٰهُمَّ فَاشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ. وَ يَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ.

---

[1] سورۂ مائدہ، آیت ۵۵۔

[2] سورۂ طٰہٰ، آیت ۲۵۔۳۲۔

[3] سورۂ قصص، آیت ۳۵۔

وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ عَلِیًّا. اشْدُدْ بِهٖ ظَهْرِیْ. قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ: فَمَا اسْتَتَمَّ كَلَامُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى نَزَلَ عَلَيْهِ جِبْرِيْلُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ. فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! اقْرَأْ. قَالَ: وَ مَآ اَقْرَأُ؟ قَالَ: اقْرَأْ: ﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ﴾[1]۔

ایک دن ہم نے ظہر کی نماز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ادا کی کہ ایک سائل نے لوگوں سے سوال کیا، لیکن کسی نے اسے کچھ نہ دیا۔ اس پر اس نے اپنے ہاتھ کو آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا: ''یا اللہ! گواہ رہنا کہ نبیؐ کی مسجد میں کسی نے مجھے کچھ نہیں دیا''۔ حضرت علی علیہ السلام اس وقت رکوع کی حالت میں تھے۔ انہوں نے سائل کو اپنی انگلی سے اشارہ کیا اور وہ آپؑ کی انگلی سے انگوٹھی اتار کر لے گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ واقعہ دیکھ رہے تھے۔ آپؐ نے اپنا سر آسمان کی جانب بلند کیا اور فرمایا: ''پروردگار! میرے بھائی موسیٰ نے تجھ سے کہا تھا: ''پروردگار! میرا سینہ کشادہ کر دے اور میرے کام آسان کر اور میری زبان میں روانی عطا فرما تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر اور مددگار بنا''۔ پھر وحی نازل ہوئی کہ: ''ہم نے تیرے بازو تیرے بھائی کے ذریعے مضبوط کر دیئے اور ہم تجھے اختیار اور تسلط عطا کریں گے اور وہ ہماری نشانیوں کی وجہ سے تم دونوں تک نہیں پہنچ سکیں گے''۔ پروردگار! میں بھی تیرا پیغمبر ہوں، میرا سینہ کشادہ کر اور میرے کام آسان کر دے اور علیؑ کو میرا وزیر اور مددگار بنا''۔ ابوذرؓ کہتے ہیں: ''ابھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات مکمل نہ ہوئی تھی کہ (مذکورہ بالا) آیت نازل ہوئی۔[2]

---

[1] سورۂ مائدہ، آیت ۵۵۔

[2] ذخائر العقبیٰ، محب طبری، مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۵۶ھ، ص ۱۶۔ نیز یہ حدیث معمولی فرق کے ساتھ تفسیر درمنثور، ج ۲، ص ۲۹۳ میں بھی نقل کی گئی ہے۔ اس آیت قرآن کے شان نزول کے بارے میں علامہ بحرانی نے غایۃ المرام میں سنی مدارک سے ۲۴، اور شیعہ مدارک سے ۱۹، احادیث نقل کی ہیں۔

ایک اور آیت جسے شیعہ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کا ثبوت خیال کرتے ہیں یہ ہے:

﴿اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ﴾

آج کفار تمہارے دین کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے سے مایوس ہو گئے ہیں۔ پس تم ان سے مت ڈرو بلکہ فقط مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔[1]

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دن سے پہلے کفار یہ امید رکھتے تھے کہ ایک دن اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک کام انجام دے کر ان کی یہ امید ہمیشہ کیلئے خاک میں ملا دی۔ یہی واقعہ اسلام کی قوت اور تکمیل کا موجب بنا اور لازمی طور پر یہ واقعہ کسی عام دینی حکم کے اجرا کی مانند کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا، بلکہ یہ اتنا اہم تھا کہ اس پر اسلام کی بقا کا دارومدار تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ایک اور آیت سے مربوط ہے جو اسی سورہ (مائدہ) کے آخر میں موجود ہے جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾

اے رسولؐ! جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے، وہ لوگوں تک پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو (سمجھ لو کہ) تم نے اس کا کوئی پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ تمہیں لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔[2]

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم اور بے حد اہم کام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کیا تھا اور اگر اسے انجام نہ دیا جاتا تو اسلام اور نبوت کی بنیاد خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ تاہم معاملہ اتنا

---

[1] سورۂ مائدہ، آیت ۳۔

[2] سورۂ مائدہ، آیت ۶۷۔

اہم تھا کہ آنحضرت گو لوگوں کی مخالفت اور مداخلت کا خوف تھا۔ اسی لئے آپ اس کام کی انجام دہی کو التوا میں ڈالے ہوئے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا فوری حکم نازل ہوا کہ اسے بلا تاخیر اور بلا خوف وخطر انجام دیا جائے۔ یہ معاملہ کسی ایک عام دینی حکم کے اجرا کا بھی نہیں تھا، کیونکہ کسی ایک یا چند دینی احکام کی تبلیغ اتنی اہم نہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک کی تبلیغ نہ کی جائے تو اسلام تباہ و برباد ہو جائے۔ علاوہ ازیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دینی قوانین اور احکام کی تبلیغ کے بارے میں کبھی کسی سے خوفزدہ نہیں ہوئے۔

ان اشاروں اور شہادتوں سے اہل تشیع کی روایات کو تقویت ملتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ آیات غدیر کے مقام پر نازل ہوئیں اور ان کا تعلق حضرت علی علیہ السلام کی ولایت سے ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے شیعہ اور سنی مفسرین نے اس رائے کی تائید کی ہے۔

جناب ابوسعید خدری ؓ روایت کرتے ہیں:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ (ص) دَعَا النَّاسَ اِلٰى عَلِيٍّ (ع) بِغَدِيْرِ خُمٍّ. وَ اَمَرَ بِمَا كَانَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ مِنَ الشَّوْكِ. فَقُمَّ وَ ذٰلِكَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ. ثُمَّ دَعَا عَلِيًّا وَّ اَخَذَ بِضَبْعَيْهِ وَ رَفَعَهُمَا حَتّٰى نَظَرَ النَّاسُ اِلٰى بَيَاضِ اِبْطَيْهِ. ثُمَّ لَمْ يَتَفَرَّقُوْا حَتّٰى نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص): اللّٰهُ اَكْبَرُ عَلٰى اِكْمَالِ الدِّيْنِ. وَ اِتْمَامِ النِّعْمَةِ. وَ رِضَى الرَّبِّ بِرِسَالَتِيْ وَ بِالْوَلَايَةِ لِعَلِيٍّ مِنْ بَعْدِيْ. ثُمَّ قَالَ: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ. اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاهُ وَ عَادِ مَنْ عَادَاهُ وَ انْصُرْ مَنْ نَصَرَهُ وَ اخْذُلْ مَنْ خَذَلَهُ۔

غدیر خم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو حضرت علی علیہ السلام کی طرف دعوت دی اور ان کا بازو پکڑ کر اتنا بلند کیا کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی اور پھر یہ آیہ مجیدہ نازل ہوئی: ''آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا''۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللہ اکبر کہ دین کامل ہوگیا ہے اور اللہ کی نعمت پوری ہوگئی ہے اور اس کی خوشنودی حاصل ہوگئی ہے اور ہمارے بعد علیؑ کی ولایت کی توثیق ہوگئی ہے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا: جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ بھی مولا ہے۔ اے پروردگار! علیؑ کے دوستوں کو دوست رکھ اور اس کے دشمنوں کو دشمن رکھ۔ جو کوئی اس کی مدد کرے اس کی مدد کر اور جو کوئی اس کو چھوڑ دے تو بھی اسے چھوڑ دے۔[1]

مختصر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے جن دشمنوں نے اسے تباہ و برباد کرنے کیلئے پورا زور لگا یا دیا تھا جب ان کی اس مقصد کے حصول کی تمام امیدیں دم توڑ گئیں تو ان کے دلوں میں فقط ایک امید باقی رہ گئی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ چونکہ اسلام کے سرپرست اور نگہبان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اس لئے جب وہ رحلت فرمائیں گے تو اسلام کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا اور یہ یقیناً معدوم ہو جائے گا۔ تاہم غدیر خم کے مقام پر ان کی یہ امید بھی حسرت و یاس میں تبدیل ہوگئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو لوگوں کے سامنے اسلام کے منتظم اور پیشوا کے طور پر پیش کر دیا۔ حضرت علی علیہ السلام کے بعد پیشوائی اور رہنمائی کی یہ سنگین اور ضروری ذمہ داری ان کی اولاد کے کندھوں پر ڈالی جانی تھی۔[2]

(جاری ہے)

*****

[1] علامہ بحرانی نے غایۃ المرام، ص ۳۳۶ پر اس آیت کی شان نزول کے سلسلے میں سنی مدارک سے ۶ اور شیعہ مدارک سے ۱۵ احادیث نقل کی ہیں۔

[2] مزید توضیح کیلئے علامہ طباطبائی کی تفسیر المیزان، ج ۵، ص ۷۷۔ ۲۱۴ اور ج ۶، ص ۵۰۔ ۶۴ ملاحظہ کریں۔

ماں، اُمُّ البنینؑ جیسی

حجۃ الاسلام مولانا سیّد شمشاد حسین رضوی
(ناروے)

ماں اُس عظیم الشان شخصیت کا نام ہے کہ جس کے بغیر دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ کوئی پیدا نہ ہوسکا۔ یہ قرآنی فیصلہ ہے کہ احترام وحُسن سلوک میں جو والد کیلئے حکم ہے وہی والدہ کیلئے بھی فرمان ہے۔ جب ہم حضرتِ اُمّ البنین سلام اللہ علیہا کی شخصیت پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک زوجہ اور ماں کے لحاظ سے ان کا کردار بلند و بالا نظر آتا ہے۔ ہم لوگ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ذاتِ گرامی کے متعلق جہاں مصائب سنتے ہیں وہاں اُن کے فضائل و کرامات بھی سنتے ہیں۔ مگر ان خاتون کے بارے میں مصائب کے چند جملوں کے علاوہ زیادہ کچھ نہیں سُن پاتے۔ اس لئے وقت کا تقاضا ہے کہ حضرت اُمّ البنین سلام اللہ علیہا کے بارے میں بھی کچھ معلومات حاصل کریں۔

بی بیؑ کا نام ''فاطمہ'' اور لقب ''اُمّ البنین'' تھا یعنی ''بیٹوں کی ماں''۔ آپؑ کے والد ماجد کا نام ''حزام'' تھا۔ آپؑ کے ننہالی بزرگوں میں ایک بزرگ تھے جن کا نام عامر بن ملک بن جعفر بن کلاب تھا جن کی شجاعت کی دھاک لوگوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔ آپؑ کی نانی کے بھائی عامر بن طفیل عرب کے سب سے بہادر انسان مشہور تھے۔ والدہ کا نام ''ثمامہ'' تھا اور بعض نے ''لیلیٰ'' بھی کہا ہے۔

حضرت امیر المومنین امام علی بن ابی طالب علیہ السلام کو ایک ''مخصوص'' بہادر فرزند کی تمنا تھی اور اسی آرزو کے حصول کیلئے اس عقد کا اہتمام کیا تھا۔ اس سلسلے میں آپؑ نے اپنے بھائی جناب عقیل سے اس کی فرمائش کی تھی تو یہ رشتہ میسر ہوا۔ جب یہ عقد ہوا اور جنابِ اُمّ البنین اس مقدس گھر میں آئیں تو

مولائے کائناتؑ کے بیت الشرف میں قدم رکھتے ہی آستانِ مبارک کو بوسہ دیا اور شہزادوں کی خدمت میں عرض کیا:

''میں تمہاری ماں بن کر نہیں آئی ہوں بلکہ ایک خادمہ کی حیثیت سے آئی ہوں''۔

خواہرانِ عزیز! آپ غور کیجئے کہ اس بی بی اور اِس عظیم خاتون نے حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے گھر میں آتے ہی کیا جملہ کہا۔ حالانکہ ایک سوتیلی ماں کے تاثرات کے اعتبار سے آپ توجہ دیں تو جناب اُمّ البنینؑ کا کردار ہمارے سماجی افکار سے کہیں بالا اور برتر نظر آتا ہے۔ یہی وہ کردار ہے جو ہمیں نمونہ بنا کر سوچنا ہوگا۔ جناب اُمّ البنین چونکہ صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی عظمتوں سے بھی باخبر تھیں کہ جن کے عقد کا اہتمام خالق اکبر نے عرش پر کیا تھا اور زمین پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انجام دیا تھا، اس لئے بھی جناب اُمّ البنینؑ کا یہ جملہ جناب سیّدہ کی عظمتوں کے اعتراف میں تھا۔ ایسے مقدس گھرانے میں قدم رکھتے ہوئے یہ احساس ناممکن ہے کہ فاطمہ زہراؑ ہی کی طرح علیؑ کی ایک زوجہ ہوں یا مجھے واقعی مادرِ سبطینؑ کہے جانے کا حق حاصل ہے۔ ہرگز نہیں حاشا وکلا!

جناب اُمّ البنین سلام اللہ علیہا کی بلندی نفس کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ ان کے ذہن میں صرف یہی احساس ہوگا کہ اسلام کو ایک مجاہدِ راہِ خدا کی ضرورت تھی اور اس ضرورت نے مجھے اس آستانہ مقدس تک پہنچا دیا ہے ورنہ کہاں میں اور کہاں بیتِ زہراؑ۔

حضرت اُمّ البنین سلام اللہ علیہا کو یہ بھی معلوم تھا کہ مالکِ کائنات نے شہزادیٔ کونین کو یہ بھی شرف عطا کیا کہ ان کی موجودگی میں مولائے کائنات علیہ السلام نے دوسرا عقد نہیں فرمایا اور یہ شرف تاریخ میں صرف دو ہی خواتین کو عطا ہوا ہے ایک جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا اور ایک اُن کی والدہ گرامی جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کی حیات تک کسی خاتون سے عقد نہیں فرمایا اور مولائے کائنات علیہ السلام نے بھی صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی زندگی میں عقد ثانی نہیں فرمایا۔ الٰہی مصلحتوں کے علاوہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اسلام نے عقد ثانی کو عدالت سے مشروط کیا ہے اور یہ قانون بنا دیا ہے کہ جب تک تمام ازواج میں عدالت و انصاف ممکن نہ ہو ایک عقد کے بعد دوسرا عقد جائز نہیں

ہے۔ عدالت کی حدود کے بارے میں جو اشارے روایات میں ملتے ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری سلوک کی برابری تو بہر حال ضروری ہے حتی الامکان یہ سعی بھی ہونی چاہئے کہ قلبی رجحان میں بھی فرق نہ آنے پائے۔ اس بنا پر کھلی ہوئی بات ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بھی قیمت پر دیگر ازواج کو جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کے برابر نہیں قرار دے سکتے تھے۔ جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا صرف زوجۂ رسولؐ نہیں تھیں کہ انہیں دیگر ازواج کے برابر قرار دے دیا جائے، بلکہ ان کو کچھ الگ امتیازات حاصل تھے۔ ان کے عقد کی ایک انفرادی شان تھی جس کے بعد یہ ناممکن تھا کہ ان کے ساتھ عام خواتین جیسا برتاؤ کیا جائے۔ خدیجہؑ بنیادِ کوثر ہیں، خدیجہؑ جوابِ طعنۂ ابتر ہیں، خدیجہؑ کے ازدواج میں کسی مصلحت وسیاست کا امکان نہیں ہے۔ خدیجہؑ کی زندگی پر کسی حرص وطمع کا الزام نہیں ہے۔ خدیجہؑ نے سماجی بندھنوں کو توڑ کر عقد کیا ہے۔ خدیجہؑ نے رسم ورواج پر ضربِ کاری لگا کر پیغمبری مشن کو تقویت پہنچائی ہے۔

جناب فاطمہ زہراؑ کے عقد کی مصلحت اور بھی زیادہ واضح ہے کہ جب قدرت، خدیجہ سلام اللہ علیہا جیسی غیر معصومہ ہستی کی محبت میں دوسری خاتون کو شریک نہیں بنا سکتی اور اس کے مراتب ومناقب کا اس انداز سے تحفظ کرنا چاہتی ہے تو جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا تو بہر حال معصومہ ہیں۔ ان کے مقابلے میں کسی دوسری خاتون کے آنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے انتقال کے بعد امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے جناب اُمّ البنینؑ سے عقد فرمایا۔ اس کے علاوہ اَمامہ سے بھی عقد فرمایا۔ جناب اَمامہ سے عقد کی وصیت خود جناب فاطمہ زہراؑ نے کی تھی۔ آپؑ نے فرمایا تھا اگر عقد ثانی کیجئے گا تو اَمامہ سے کیجئے گا۔ وہ میرے بچوں کا زیادہ خیال رکھتی ہیں۔ صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی وفات ۱۱ ہجری میں ہوئی اور جنابِ اُمّ البنین کے عقد کے ۱۴۔۱۵ سال بعد ۲۶ ھ میں حضرتِ عباس علمدار علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اِس عقد کا ایک اہم مقصد تھا اور جناب اَمامہ سے عقد شہزادوں کی خدمت کیلئے ہوا تھا۔

حضرتِ عباس علمدار علیہ السلام کی شجاعت، بہادری اور وفا کی جو داستانیں کتابوں میں ملتی ہیں ان کے پیچھے جنابِ اُمّ البنینؑ کی ذاتی اور وِراثتی شرافتیں کارفرما تھیں۔ اس مخدومہ بی بیؑ کی عظمتِ کردار کیلئے

مستقل جداگانہ دلائل ہیں۔ حضرتِ عباس علمدار علیہ السلام کی تعلیم وتربیت میں اس ماحول کا دخل ہے جس گھر میں مولائے کائناتؑ اور اُمّ البنین موجود ہیں۔ انسان اس دنیا میں جو کچھ بھی حاصل کرتا ہے سب اس کے ماحول کا عطیہ ہوتا ہے۔ وہی فنون دیتا ہے اور وہی علوم۔ آج کل کی دنیا میں تعلیمی ماحول کا مطلب اسکول، کالج، درسگاہ اور دانشگاہ کا ماحول ہے جہاں ایک معلم ہوتا ہے اور ایک متعلم، جہاں ایک استاد ہوتا ہے اور ایک شاگرد، لیکن صدر اسلام میں ایسا کچھ نہیں۔ اس وقت کا زیادہ تر تعلق گھریلو تعلیم ہی سے تھا۔ مطلب یہ ہے کہ انسانی علوم پر ماحول کا بیحد اثر پڑتا ہے اور کردار میں نکھار اسی وقت آتا ہے جب والد اور والدہ دونوں کے اثرات مرتب ہوں۔ حضرتِ عباس علمدار علیہ السلام کو علم بابا سے ملا اور شجاعت بابا کے علاوہ ننہالی شرف سے بھی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے چچا حضرتِ عباس کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

كَانَ عَمُّنَا الْعَبَّاسُ نَافِذَ الْبَصِيْرَةِ، صُلْبَ الْإِيْمَانِ، جَاهَدَ مَعَ اَبِيْ عَبْدِ اللهِ، وَ اَبْلٰى بَلَآءً حَسَنًا وَّ مَضٰى شَهِيْدًا۔

ہمارے چچا عباسؑ، علم وعرفان میں نفوذِ بصیرت تھے اور ایمان میں بہت پختہ تھے۔ انہوں نے امام عالی مقام علیہ السلام کے ساتھ جہاد میں شرکت کی اور اس آزمائش میں مکمل کامیاب ہوتے ہوئے درجۂ شہادت حاصل کیا۔[1]

حضرت امام حسین علیہ السلام کا یہ فرمان جناب عباس علیہ السلام کی شخصیت کو اور دوبالا کرتا ہے۔ حضرتِ عباس علمدار علیہ السلام کو بہادری والد سے ملی سو ملی مگر یہ عظمت اور خصوصی شرف ماں کی طرف سے بھی تھا۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنے چچا حضرتِ عباس علمدار علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

رَحِمَ اللهُ عَمِّيَ الْعَبَّاسَ، فَلَقَدْ اٰثَرَ وَاَبْلٰى وَفَدٰى اَخَاهُ بِنَفْسِهٖ حَتّٰى قُطِعَتْ يَدَاهُ فَاَبْدَلَهُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُمَا جَنَاحَيْنِ يَطِيْرُ بِهِمَا مَعَ الْمَلٰٓئِكَةِ فِي الْجَنَّةِ كَمَا جُعِلَ لِجَعْفَرِ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاِنَّ لِلْعَبَّاسِ عِنْدَ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى

---

[1] در سوگ امیر آزادی، ص ۲۵۴۔

مَنْزِلَةٌ يَغْبِطُهُ بِهَا جَمِيْعُ الشُّهَدَآءِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

اللہ کی رحمت ہو میرے چچا حضرت عباس علیہ السلام پر جنہوں نے بے پناہ ایثار سے کام لیا اور اپنے آپ کو سختیوں کے حوالے کر دیا اور اپنی جان اپنے بھائی پر نچھاور کر دی، یہاں تک کہ آپؑ کے دونوں بازو کٹ گئے، جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں دو پر عطا کر دیئے جن کے ساتھ وہ جنت میں محو پرواز رہتے ہیں جیسا کہ یہی شرف جناب جعفر بن ابی طالبؑ کو بھی نصیب ہوا۔ بیشک میرے چچا عباسؑ کو اللہ کے ہاں وہ مقام و منزلت حاصل ہے جس پر قیامت تک کے تمام شہداء رشک کرتے ہیں۔[1]

اسی طرح آپؑ کی زیارت میں یہ جملہ ملتا ہے:

فَنِعْمَ الصَّابِرُ الْمُجَاهِدُ الْمُحَامِي النَّاصِرُ۔

کیا کہنا! میرے چچا عباسؑ کا کہ وہ بہترین صابر و مجاہد اور حامی و مددگار تھے۔[2]

جہاد کے ساتھ صبر اور دفاع کے ساتھ اطاعتِ ربّ کا تذکرہ جناب عباس علمدار علیہ السلام کی شانِ شجاعت کا مکمل ثبوت ہے۔

اس مقالے کا موضوع جنابِ اُمّ البنین سلام اللہ علیہا ہیں ورنہ حضرتِ عباس علیہ السلام پر خود مستقل گفتگو ہو سکتی ہے اور کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے عظمتِ فاطمہ کلابیہ یعنی جنابِ اُمّ البنینؑ کی شخصیت قول رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں کیسی ہے؟ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اچھی عورت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ خَيْرَ نِسَآئِكُمُ الْوَلُوْدُ، الْوَدُوْدُ، الْعَفِيفَةُ، الْعَزِيْزَةُ فِيْ اَهْلِهَا، الذَّلِيْلَةُ مَعَ بَعْلِهَا، الْمُتَبَرِّجَةُ مَعَ زَوْجِهَا، الْحَصَانُ عَلٰى غَيْرِهِ، الَّتِيْ تَسْمَعُ قَوْلَهُ وَ تُطِيْعُ اَمْرَهُ وَاِذَا خَلَا بِهَا بَذَلَتْ لَهُ مَا يُرِيْدُ مِنْهَا وَلَمْ تَبْذُلْ كَتَبَذُّلِ الرَّجُلِ۔

---

[1] امالی شیخ صدوقؒ، ص ۲۶۲۔ ۲۶۳۔

[2] المزار الکبیر، ص ۳۹۱۔

بیشک بہترین عورت وہ ہے جو کثیر الاولاد، محبت کرنے والی اور پاکدامن ہو، جو اپنے میکے میں صاحب عزت اور اپنے شوہر کے سامنے متواضع ہو، جو شوہر کیلئے سج دھج کے رہے جبکہ غیر سے اپنی زینت کو پوشیدہ رکھے، جو شوہر کی بات سنے اور اسکی اطاعت کرے، جب بستر میں جائے تو خود کو مکمل طور پر شوہر کے حوالے کردے اور شوہر کی طرح ہمبستری کی رغبت کا اظہار نہ کرے۔ [1]

اس قول کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ان تمام جملوں کی مصداق تھیں اور ایک باوقار و باعزت اور فرمانبردار خاتون تھیں۔ اولاد بھی زیادہ ہوئی تبھی ان کا لقب ''ام البنین'' ہوا۔ اسلامی تربیت کے جو اصول اولاد کیلئے ہوتے ہیں ان سب پر جناب اُمّ البنین عمل پیرا رہیں۔ جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے مدینہ سے کربلا سفر کا ارادہ کیا تو تمام بچوں، خاص طور سے بڑے بیٹے حضرت عباس علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہا: میرے نورعین! میرے مولا امام حسین علیہ السلام کی ہمیشہ فرمانبرداری کرنا۔ اور یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ جب لٹا ہوا قافلہ مدینہ واپس آیا اور مدینہ کی تمام عورتیں گھروں سے باہر آگئیں اور سب فریاد کر رہی تھیں، ہر کوئی ماتم امام حسین علیہ السلام میں گریہ کر رہا تھا تو اُم البنین نے بشیر سے پوچھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی کیا خبر ہے تو انہوں نے کہا: خدا آپؑ کو صبر دے کہ آپؑ کے بیٹے عباس شہید ہوئے، تو کہا مجھے امام حسین علیہ السلام کی خبر دو۔ پھر بشیر نے ایک ایک بیٹوں کے شہادت کی خبر دی، مگر بار بار اُمّ البنین امام حسین علیہ السلام کا پوچھ رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں میرے سارے بیٹے حسینؑ پر قربان!۔ پھر جیسے ہی بشیر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر دی تو بی بیؑ نے ایک چیخ ماری اور گر پڑیں اور کہا: اے بشیر! تو نے میرے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اگر حسینؑ زندہ ہوتے میرے بچوں کا مرنا اتنا اہمیت نہیں رکھتا۔ پھر نالہ وشیون کے ساتھ جنت البقیع آئیں اور چار قبریں بنا کر کہا اے میرے فرزندو! میں آج تم پر گریہ نہ کروں گی۔ میں اپنے حسینؑ پر روؤں گی کہ ان کی ماں موجود نہیں اور پھر حضرت زہراؑ کو پرسہ دیا۔ ہزاروں سلام اور درود ہوں اسلام کی اس شجاع اور بہادر ماں پر کہ جس نے کربلا کیلئے ایسے جان نثار فرزند عطا کئے اور جس نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی تمنا پوری کی۔ والسلام۔

*****

---

[1] الکافی، ج ۵، ص ۳۲۴۔

زیارت قبور مومنین و آئمہ اطہارؑ

حجۃ الاسلام مولانا سیّد فدا حسین بخاری

لغت میں زیارت کے معنی، ''قصد کرنا، ''کسی کی طرف مائل ہونا''، ''دیدار کرنا'' اور ''کسی کی طرف واپس آنا'' وغیرہ ہیں، لیکن دینی اصطلاحات میں اس کا خاص معنی ہے جو لغوی معنی سے وسیع تر ہے۔ زیارت کرنا مناسک دینی میں سے ہے اور یہ ایک فطری عمل ہے۔ ہر انسان اپنے اپنے عقیدے کے مطابق اپنے لئے جن شخصیتوں یا جن مقامات کو مقدس سمجھتا ہے، ان کو دیکھنے اور قریب سے ان کو لمس کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ وہ شخصیتیں جن کو وہ اپنے لئے رہنما و رہبر سمجھتا ہے، یا تو ان کی زندگی میں ان کا دیدار کرنا چاہتا ہے ان کی گفتگو کو خود سماعت کرنا چاہتا ہے اور ان سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتا ہے، یا پھر اگر وہ دنیا سے جا چکی ہوں تو ان کی قبور پر حاضر ہونا چاہتا ہے اور ان سے تجدید وفا کرنا چاہتا ہے۔

واضح رہے کہ یہ سوچ اور عقیدہ صرف اسلام کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ تقریباً تمام مذاہب و ادیان میں پایا جاتا ہے۔ ہندو، بدھ مت، سکھ، عیسائی، یہودی سب اپنے مذہبی رہنماؤں کی قبروں پر اور ان کے آثار پر حاضر ہو کر زیارت کرتے ہیں اور خاص اہتمام کے ساتھ تعظیم و تکریم بجالاتے ہیں۔

دراصل مذہبی شعائر کی تعظیم اور احترام کرنا تو قرآن مجید کی نگاہ میں دلوں کے تقویٰ اور پاکیزگی کی علامت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ اللهِ ﴾

بے شک صفا اور مروہ دونوں پہاڑیاں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔[1]

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۱۵۸۔

﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾

اور جو بھی اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے گا یہ تعظیم اسکے دل کے تقویٰ کا نتیجہ ہوگی۔[1]

﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ﴾

اور ہم نے قربانیوں کے اونٹ کو بھی اپنی نشانیوں میں سے قرار دیا ہے اس میں تمہارے لئے خیر ہے۔[2]

شیخ بوعلی سینا نے ابوسعید الخیر کے جواب میں لکھا ہے:

اِنَّ النُّفُوْسَ الزَّائِرَةَ الْمُتَّصِلَةَ بِالْبَدَنِ الْغَيْرِ الْمُفَارِقَةِ تَسْتَمِدُّ مِنْ تِلْكَ النُّفُوْسِ الْمَزُوْرَةِ جَلْبَ خَيْرٍ اَوْ دَفْعَ ضَرَرٍ وَ اَذًى فَيَنْخَرِطُ كُلُّهَا فِيْ سِلْكِ الْاِسْتِعْدَادِ وَ الْاِسْتِمْدَادِ لِتِلْكَ الصُّوَرِ الْمَطْلُوْبَةِ فَلَا بُدَّ اَنَّ النُّفُوْسَ الْمَزُوْرَةَ لِمُشَابِهَتِهَا الْعُقُوْلَ وَ مُجَاوَرَتِهَا لَهَا تُؤَثِّرُ تَاْثِيْرًا عَظِيْمًا وَ تُمِدُّ اِمْدَادًا تَامًّا بِحَسَبِ اخْتِلَافِ الْاَحْوَالِ وَهِيَ اِمَّا جِسْمَانِيَّةٌ اَوْ نَفْسَانِيَّةٌ۔

بلاشبہ زائر اپنے جسم وروح کے ساتھ، صاحب زیارت ہستی کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ وہ صاحب زیارت ہستی سے خیر وبھلائی کے حصول یا نقصان وتکلیف سے بچنے کیلئے مدد طلب کرتا ہے۔ اس کا پورا وجود اس مدد کے حصول کیلئے کوشاں ہو جاتا ہے، جبکہ دوسری طرف صاحب زیارت ہستی کا نفس بھی چونکہ عقول سے نزدیکی کی وجہ سے بے پناہ تاثیر و طاقت کا مالک بن چکا ہوتا ہے۔ اس صورت حال میں جب زائر اپنے جسم وجان سے صاحب زیارت ہستی سے رابطہ پیدا کرتا ہے تو اسے جسمانی فوائد بھی ملتے ہیں اور روحانی کمالات بھی نصیب ہوتے ہیں۔[3]

ابن سینا کی اس عبارت میں زیارت عبارت ہے اس سے کہ نفوس نازلہ کا اپنے سے بالاتر نفوس کے

[1] سورۂ حج، آیت ۳۲۔

[2] سورۂ حج، آیت ۳۶۔

[3] رسائل ابن سینا، ص ۳۳۸۔

ساتھ خاص مقصد کیلئے انس و رابطہ ہوتا ہے تا کہ نفوس دانیہ نفوس عالیہ سے اپنی استعداد اور ظرفیت کے مطابق جسمانی اور نفسانی فائدہ اٹھا سکیں۔

اللہ تعالیٰ کے اولیاء کی زیارت کرنا ان کی تعظیم ہے اور ان کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ جو انہوں نے اللہ کے دین کیلئے زحمتیں اٹھائیں اور لوگوں کی ہدایت کیلئے مصائب و تکالیف برداشت کیں۔ زائر درحقیقت جس کی زیارت کرنے کیلئے جاتا ہے، اس سے محبت کرتا ہے اور فروع دین میں جو تولیٰ اور تبریٰ کا باب ہے، اس پر عمل کرتا ہے۔ یعنی اللہ اور اس کے دوستوں سے محبت اور اللہ اور اس کی دوستوں کے دشمنوں سے دشمنی۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے فرمودات کے مطابق دین کی بنیاد محبت پر ہے، جن سے انسان محبت کرتا ہے، جب زندہ ہوں تو ان کے دیدار کا مشتاق رہتا ہے اور دنیا سے چلے جائیں تو ان کی قبور پر حاضر ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ مومنین کی قبور کی زیارت کی جائے۔ یہ کام بذات خود ایک تعمیری اثر رکھتا ہے۔ قبرستان کی خاموش وادی جہاں انسانوں کی زندگی کے چراغ بجھ چکے ہیں، کا مشاہدہ کرنا انسان کی جان و دل کو متزلزل کرتا ہے اور درس عبرت بنتا ہے اور مشاہدہ کرنے والا اپنے ضمیر سے مخاطب ہو کر کہتا ہے: یہ ناپائیدار زندگی جس کا انجام منوں مٹی کے نیچے دب جانا ہے، ایسی نہیں ہے کہ اسے ناجائز و ناروا طریقے سے برباد کیا جائے۔ بالآخر ایسے افراد اپنی زندگی کے بارے میں دوبارہ غور کرتے ہیں اور ان کی روح و ضمیر میں ایک انقلاب رونما ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں اس نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

زُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الْاٰخِرَةَ۔

قبروں کی زیارت کرو، کیونکہ یہ تمہیں دوسری دنیا کی یاد دلاتی ہیں۔[1]

رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زندگی کے آخری ایام میں قبرستان بقیع تشریف لے جاتے تھے اور صاحبان قبور کے حق میں دُعائے مغفرت فرماتے تھے اور فرماتے تھے: میرے اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ

---

[1] سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۵۰۰، حدیث ۱۵۶۹۔

قبرستان بقیع میں آ کر ان لوگوں کیلئے طلب مغفرت کروں۔ اس کے بعد فرمایا: جب ان کی زیارت کیلئے جاؤ تو کہو:

اَلسَّلَامُ عَلٰی اَھْلِ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَیَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاْخِرِیْنَ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ۔

سلام ہو اس وادی کے ساکن مومنین و مسلمین پر، رحمت خدا ہو ہمارے مرحومین اور لواحقین پر اور ہم ان شاء اللہ عنقریب تم لوگوں سے آملیں گے۔[1]

حدیث کی کتابوں میں اولیائے الٰہی اور بزرگان دین کی قبروں کی زیارت کو ایک مستحب مؤکد کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے۔ خود آئمہ اطہار علیہم السلام، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے سے پہلے والے اماموں کی قبروں کی زیارت کیلئے جاتے تھے اور اپنے پیرکاروں کو اس کام کی انجام دہی کی تاکید فرماتے تھے۔

قرآن مجید بعض آیات میں واضح کرتا ہے کہ خداوند متعال نے ان گھروں کو بلند کرنے کی اجازت دی ہے جہاں صبح و شام خدا کی عبادت ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ ۙ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾﴾

(یہ چراغ) ان گھروں میں ہے جن کے بارے میں خدا کا حکم ہے کہ ان کی بلندی کا اعتراف کیا جائے اور ان میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے کہ ان گھروں میں صبح و شام اس کی تسبیح کرنے والے ہیں وہ مرد جنہیں کاروبار یا تجارت ذکر خدا، قیام نماز اور ادائے زکوۃ سے غافل نہیں کرسکتی۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن کے خوف سے دل اور نگاہیں سب الٹ جائیں گی۔[2]

مسلم طور پر لفظ ''بیوت'' جو مذکورہ آیت بیان ہوا، اس سے مراد مساجد نہیں ہیں، کیونکہ قرآن مجید

---

[1] صحیح مسلم، ج ۳، ص ۶۴، حدیث ۲۳۰۱۔

[2] سورۂ نور، آیت ۳۶۔ ۳۷۔

میں ''مساجد'' کے مقابلے میں ''بیوت'' کا استعمال ہوا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مسجد الحرام اور بیت الحرام دو الگ مقامات ہیں۔ روایات کے مطابق ''بیوت'' سے مراد انبیائے الٰہی کے گھر خصوصاً پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت اطہار علیہم السلام کے گھر ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی حضرت ابوبکرؓ سے نقل کرتے ہیں:

جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیہ مجیدہ نازل ہوئی تو ہم سب مسجد نبوی میں تھے۔ ایک شخص اٹھا اور اس نے سوال کیا: یہ گھر کونسے گھر ہیں؟ کیا علیؑ اور حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر بھی اس میں شامل ہیں؟ تو جواب میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

نَعَمْ مِنْ اَفَاضِلِهَا۔

ہاں! ان کا گھر ان میں سے بہترین گھر ہے۔[1]

اب جبکہ واضح ہوا کہ بیوت سے کیا مراد ہے تو اب ہم ''ترفیع بیوت'' کی وضاحت کریں گے۔ چنانچہ اس بارے میں یہاں پر دو احتمال ہیں:

۱۔ ''ترفیع''، یعنی تعمیر کرنا اور بلند کرنا، اس لئے کہ دوسری آیات میں ''رفع'' اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۔﴾

اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیمؑ و اسماعیلؑ خانہ کعبہ کی دیواروں کو بلند کر رہے تھے۔[2]

۲۔ ''ترفیع'' سے مراد احترام و حفاظت کرنا۔

پہلے معنی کے مطابق چونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر پہلے تعمیر کئے جا چکے تھے، اس لئے مراد تعمیر بیوت نہیں بلکہ انہیں بربادی اور ویرانی سے محفوظ رکھنا ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے خرابی سے حفاظت کے علاوہ، انہیں ہر قسم کی آلودگی سے جو ان کی حرمت کے منافی ہو بچانا اور محفوظ رکھنا ہے۔

---

[1] تفسیر درمنثور، ج ۶، ص ۲۰۳۔

[2] سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۷۔

اس لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب گھروں کی تکریم و تعظیم کریں اور ان کی حفاظت کریں اور اس کام کو ان سے قرب کا ذریعہ شمار کریں۔

اصحاب کہف سے مربوط آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب ان کے مخفی ہو جانے کے مقام کا انکشاف ہوا تو ان کی تعظیم و تکریم کیلئے دو جماعتوں کے درمیان اختلاف پیدا ہوا۔ ایک جماعت کہتی تھی کہ اصحاب کہف کی غار پر ان کی تکریم و احترام کیلئے یادگار کے طور پر کوئی عمارت تعمیر کریں اور دوسری جماعت کہتی تھی کہ ان کی قبروں پر ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ قرآن مجید نے دونوں تجویزوں کو قابل قبول سمجھتے ہوئے دونوں کو نقل کیا ہے۔ اگر یہ دونوں تجویزیں اسلامی اصولوں کے مخالف ہوتیں تو اللہ تعالیٰ ان کو دوسرے لہجے میں بیان کرتا یا ان پر تنقید کرتا، لیکن قرآن مجید میں یوں بیان ہوا ہے:

﴿إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۖ رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ ۖ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا ﴿٢١﴾﴾

جب یہ لوگ آپس میں ان کے بارے میں جھگڑا کر رہے تھے اور یہ طے کر رہے تھے کہ ان کے غار پر ایک عمارت بنا دی جائے، خدا ان کے بارے میں بہتر جانتا ہے اور جو لوگ دوسروں کی رائے پر غالب آئے انہوں نے کہا ہم اس پر مسجد بنائیں گے۔[1]

مذکورہ دو آیتیں اس اصول کے اسلامی ہونے کی واضح دلیل ہیں۔ اس لیے پیغمبروںؑ کی قبروں کی تعمیر اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت علیہم السلام کی قبروں پر عمارتیں تعمیر کرنا اور قبروں کے کنارے مسجد تعمیر کرنا اسی اسلامی اصول کے مطابق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عصر پیامبر اکرمؐ سے آج تک مسلمانوں کی مسلسل سیرت یہی رہی ہے کہ اپنے بزرگوں کے آثار کی حفاظت کرنے کوشش کرتے رہے ہیں اور خاص طور پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے خاندان کے گھروں کی رکھوالی اور حفاظت کرتے رہے ہیں۔

---

[1] سورۂ کہف، آیت ۲۱۔

آداب زیارت آئمہ طاہرین علیہم السلام

آداب زیارت بہت زیادہ ہیں۔ہم ان میں سے کچھ کا ذکر کرتے ہیں:

- ۱۔زیارت کے سفر پر روانگی سے پہلے غسل کرنا۔
- ۲۔راستے میں بے ہودہ باتوں،لڑائی جھگڑے اور گالم گلوچ سے پرہیز کرنا۔
- ۳۔ہر امامؑ کی زیارت پڑھنے سے بیشتر غسل کرنا۔
- ۴۔حدث اکبر واصغر سے پاک ہونا یعنی وضو یا غسل کے ساتھ رہنا۔
- ۵۔پاک وصاف نیا لباس پہننا۔
- ۶۔کسی بھی روضہ پاک پر جاتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانا اور اطمینان کے ساتھ خضوع و خشوع کی حالت میں ادھر ادھر دیکھے بغیر آگے بڑھنا۔
- ۷۔امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے علاوہ دیگر زیارتوں کیلئے خوشبو لگا کر جانا۔
- ۸۔حرم مطہر کی طرف جاتے ہوئے ذکر الٰہی،تکبیر،تحمید و تسبیح اور محمد و آل محمد علیہم السلام پر درود بھیجنا۔
- ۹۔حرم مبارک کے دروازے پر کھڑے ہو کر اذان دخول پڑھنا اور اس موقع پر کوشش کرنا کہ اس پر رقت قلب اور خضوع و خشوع طاری ہو۔خداوند عالم کے جلال و عظمت کا تصور کرنا اور جس بزرگ ہستی کی زیارت کیلئے آیا ہے اور حاضری دینا چاہتا ہے ان کی بلند شان و عظمت کو نظر میں لانا اور یقین کامل رکھنا کہ یہ ہستیاں ہمارے کلام کو سنتی ہیں اور سلام کا جواب دیتی ہیں۔

*****

نظریۂ انتظار اور ہماری ذمہ داریاں

حجۃ الاسلام مولانا غلام حسین عدیل

یہ بات مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں وسیلۂ انتظار سے عطا ہوتی ہیں۔ اگر انتظار کے تصور کو حیات انسانی سے نکال دیا جائے تو زندگی بے مقصدسی نظر آتی ہے۔ یہ انتظار کی یادیں ہی تو ہیں جو زندگی کے مشکل لمحات کو آسان بنا دیتی ہیں۔ پس نظریۂ انتظار انسان کی انفرادی واجتماعی زندگی کی تکمیل کا ذریعہ بنتا ہے۔ اگر تصور انتظار نہ ہوتا تو کوئی زحمت اور مشکل برداشت کرنا گوارا نہ کرتا۔ اگر نظریہ انتظار نہ ہوتا ماں بچے کو دودھ پلاتے ہوئے پریشان ہوتی، مالی باغ کی نگہداشت نہ کرتا، کاشتکار فصلوں کو آباد نہ کرتا، طالب علم کوشش نہ کرتا، نہ صنعت کاری ہوتی نہ کاشتکاری، نہ وزارتوں کا شوق ہوتا نہ سیاستوں کا ذوق، نہ کوئی گھر آباد کرنے کی فکر کرتا اور نہ تربیت ہی میں تگ ودو ہوتی۔۔۔ پس زندگی کا ہر شعبہ انتظار کے ذریعے سے پروان چڑھ رہا ہے۔ نظریہ انتظار زندگی کو بامقصد بنا رہا ہے اور حیات انسانی میں درخشندگی، تابندگی، نورانیت اور ذوق وشوق عطا کر رہا ہے۔ نظریہ انتظار سے زندگی میں لذت، محبت اور شیرینی پیدا ہوجاتی ہے اور اس سے انسانی ترقی وکمال کے راستے کھل جاتے ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ انتظار کے تصور سے جمود ورکود، سستی اور کاہلی ختم ہوجاتی ہے۔ اس لئے کہ ''اَلِانتِظَارُ اَشَدُّ مِنَ الْمَوْتِ'' انتظار کی بیقراری موت سے زیادہ شدید ہوتی ہے۔ جب بھی کسی کا انتظار ہوتا ہے تو تیاری شروع ہوجاتی ہے۔ جب کسی شخص کو مہمان کا انتظار ہوتا ہے تو ہمہ جہت اس کیلئے چشم براہ رہتا ہے۔ اس کی خاطر مدارت کے ہر ممکن انتظام کرتا ہے۔ دُعا بھی کرتا ہے کہ پروردگار میرے مہمان کو صحت وسلامتی کے ساتھ مجھ تک پہنچا۔ راستے کی مشکلات کو اس کیلئے آسان فرما! جوں جوں مہمان کی آمد

میں تاخیر ہوتی جاتی ہے، اسی طرح میزبان میں بے چینی اور اضطراب بڑھتا جاتا ہے۔ اس لئے کہ انتظار کا مطلب امید وآرزو کے سائے میں انتظامات اور لوازمات کو فراہم کرنا ہے۔ علاوہ ازیں میزبان اپنے مہمان کے راحت وآرام کیلئے اپنی بساط بھر کوشش کرتا ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ اس کے مہمان کا زمانہ دشمن ہے تو اس کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جاتا۔ پس انتظار ایک نظریاتی تصور کا نام ہے جس کی گہرائی میں تحرک اور بیداری کا جوہر شامل ہے۔

عقیدۂ انتظار، اسلام کی نگاہ میں

جوں جوں دن گزر رہے ہیں، اسی طرح عقیدۂ انتظار میں درخشانی آرہی ہے اور منتظرین کے ذوق وشوق میں اضافہ ہورہا ہے۔ تاریخ اسلام میں بہت مقدس نظریہ، ''عقیدۂ انتظار'' ہے جس پر تمام مسلمان متفق ہیں اور اسے ضروریات دین میں سے قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ نظریہ انتظار کی بنیاد قرآن وسنت ہے۔

قرآن کریم نے نظریہ انتظار کو مسلمانوں کیلئے فتح وسربلندی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ ہر مسلمان روشن اور پائیدار مستقبل کی انتظار میں ہے جس دن ظلم کا خاتمہ ہوگا اور دنیا عدل وانصاف سے بھر جائے گی۔ اس نظریہ کو وسعت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ہر مکتب فکر اس نظریہ کا قائل نظر آتا ہے، حتی کہ وہ لوگ جن کے عقائد ونظریات تضاد پر استوار ہیں۔ یعنی ڈائیلیکٹیکل میٹریالزم (Dialectical Materialism) کی سوچ رکھنے والے بھی انتظار کے قائل ہیں۔ ان کا بھی اعتقاد ہے کہ ایک دن آئے گا جب تمام تضاد ختم ہوجائیں گے اور ہر طرف امن وامان ہوگا۔ آپ نے توجہ فرمائی کہ نظریہ انتظار مجموعی طور پر ہمہ گیر اور عالمی اور ہر قسم کے عقیدتی فاصلوں سے بلند وبالا ہے۔

خداوند عالم نے اپنی مقدس کتاب میں ارشاد فرمایا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا

يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾

پروردگار عالم نے صاحبان ایمان اور عمل صالح رکھنے والے لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں روئے زمین پر اس طرح اپنا خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے والوں کو بنایا ہے اور ان کیلئے اس دین کو غالب بنائے گا جسے ان کیلئے پسندیدہ قرار دیا ہے اور ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا کہ وہ سب صرف میری عبادت کریں گے اور کسی کو ہمارا شریک نہ بنائیں گے اور جو شخص اس کے بعد بھی انکار کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق و بدکار ہیں۔[1]

اس آیہ مجیدہ کے خد و خال اور لب و لہجہ سے وجدانی آرزو کی تکمیل ہوتی ہے، دل کی ڈھارس اور امیدوں کی شمع روشن ہو جاتی ہے۔ فقط تسکین ہی نہیں بلکہ ایمان و تقوی اور عمل صالح کا جذبہ بھی بڑھ جاتا ہے۔ انسان کے ضمیر و وجدان میں ظلم و بربریت کے خلاف قیام کی تڑپ اور زیادہ اجاگر ہو جاتی ہے اور انسان وعدۂ الٰہی کے مکمل تحقق کی انتظار کرتا ہے۔ یہ بات تو حقیقت ہے کہ دنیا میں ابھی تک کوئی ایسا دور نہیں آیا جس میں ہر طرف امن و امان ہو۔ چنانچہ عہد رسولؐ اور صحابہ کرامؓ کے دور میں مسلمانوں کو عظیم اقتدار حاصل ہوا، مگر دین اسلام کا مکمل غلبہ، عدل و عدالت کا مکمل قیام، امن و امان کا مکمل دور اسی وقت ہو گا جس کیلئے حضور ختمی مرتبت مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا:

ثُمَّ يَخْرُجُ عَلَيْهِمْ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ بَيْتِيَ اسْمُهُ كَاسْمِيْ. وَ خَلْقُهُ كَخَلْقِيْ. تَوُوْبُ اِلَيْهِ اُمَّتِيْ كَمَا تَوُوْبُ الطَّيْرُ اِلٰى اَوْكَارِهَا. فَيَمْلَأُ الْاَرْضَ عَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا۔

پھر میری اہل بیتؑ سے ایک شخص قیام کرے گا جو میرا ہم نام ہوگا۔ وہ زمین کو عدل و عدالت سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔[2]

عقیدہ انتظار اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور پر ہزاروں حدیثیں موجود ہیں۔ حافظ علاء الدین علی بن صام الدین متقی ہندی (۹۷۵ھ) نے اپنی مشہور کتاب ''کنز العمال'' کی چودھویں جلد میں ''باب خروج المہدیؑ'' کے ذیل میں اٹھاون احادیث نقل کی ہیں۔ امام بخاری اور امام احمد بن حنبل کے

---

[1] سورۂ نور، آیت ۵۵۔

[2] دلائل الامامۃ، ص ۴۴۵۔

استاد ابو بکر عبدالرزاق بن ہمام صغانی (۲۱۱ھ) کی کتاب ''المنصف''، باب المہدیؑ میں متعدد روایات موجود ہیں۔ اسی طرح مسند احمد بن حنبل (۲۴۱ھ)، صحیح بخاری (۲۵۶ھ)، سنن ابن ماجہ (۲۷۳ھ)، سنن ابو داؤد (۲۷۵ھ)، سنن ترمذی (۲۷۹ھ) اور صحیح مسلم (۲۶۱ھ) میں سینکڑوں احادیث امام مہدی علیہ السلام اور آپؑ کے ظہور سے متعلق ملتی ہیں جن میں آنحضرت گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ خداوند تعالیٰ میرے اہل بیتؑ سے ایک شخص کو بھیجے گا جو دنیا کو عدل وعدالت سے بھر دے گا جس طرح کہ وہ ظلم وجور سے بھری ہوگی۔

معاصر محققین نے بے انتہا کوششوں سے ان تمام احادیث کو اکٹھا کر کے کتابی شکل میں پیش کیا ہے جس میں بہترین اور جامع کتاب آیت اللہ صافی مدظلہ کی تحریر کردہ ''منتخب الاثر'' ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے چھ ہزار حدیثوں کو ملت اسلامیہ کے معتبر منابع سے جمع کیا ہے اور ۱۴۵ مشہور ومعروف کتابوں سے ان روایتوں کو نقل کیا ہے۔ خداوند عالم انہیں اس عظیم کوشش پر اجر عطا فرمائے۔

منتظرین کی ذمہ داریاں

انتظار کا مطلب ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھ جانے کا نام نہیں، بلکہ امام زمانہ علیہ السلام کیلئے راستہ ہموار کرنے کا نام ہی انتظار ہے۔ منتظر امامؑ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ سچے دل کے ساتھ انتظار کرے۔

حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

طُوبٰی لِمَنْ اَدْرَکَ قَآئِمَ اَهْلِ بَیْتِیْ وَ هُوَ مُقْتَدٍ بِهٖ قَبْلَ قِیَامِهٖ. یَتَوَلّٰی وَلِیَّهٗ وَ یَتَبَرَّاُ مِنْ عَدُوِّهٖ وَ یَتَوَلَّی الْاَئِمَّةَ الْهَادِیَةَ مِنْ قَبْلِهٖ. اُولٰٓئِكَ رُفَقَآئِیْ وَ ذُوْ وُدِّیْ وَ مَوَدَّتِیْ وَ اَکْرَمُ اُمَّتِیْ عَلَیَّ۔

خوش نصیب ہے وہ شخص جو میرے اہل بیتؑ کے قائم (حضرت امام مہدی علیہ السلام) کو اس حالت میں دیکھے کہ وہ ظہور سے پہلے ان کی پیروی کرتا تھا، ان کے محبوں سے محبت اور ان کے دشمنوں سے بیزار رہتا تھا اور آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کی ولایت اور محبت سے متمسک رہا ہو۔[1]

---

[1] بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۱۳۰۔

پس حقیقی منتظر وہ ہوگا جو خدا اور رسولؐ کی اطاعت میں زندگی گزارے، حضرت امام زمانہ علیہ السلام کی پیروی کرے اور اہل بیتؑ کی ولایت ومحبت کے زیر سایہ زندگی بسر کرے۔ امام علیہ السلام کے ناصرین اور قیام کرنے والے مجاہدین، بلند نگاہ، زمانہ شناس، طاغوت کے ہتھکنڈوں سے واقف اور اعمال صالحہ بجالانے والے ہوں گے۔ وہ احساس ذمہ داری اور ادائیگی فرض کی تڑپ سے سرشار مطیع خدا اور رسولؐ ہوں گے۔ اتحاد وحدت ان کا شعار ہوگا۔ اس وقت وحدت اسلامی کا قیام قوم پر سب سے بڑا احسان ہے۔ اس لئے کہ جب قومیں متحد ہو جاتی ہیں تو دشمن جتنا بھی قوی اور طاقتور ہو وہ ان کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا ہے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام حقیقی منتظرین سے متعلق فرماتے ہیں:

مَنْ سُرَّ اَنْ یَکُوْنَ مِنْ اَصْحَابِ الْقَآئِمِ فَلْیَنْتَظِرْ وَ لْیَعْمَلْ بِالْوَرَعِ وَ مَحَاسِنِ الْاَخْلَاقِ وَ هُوَ مُنْتَظِرٌ. فَاِنْ مَّاتَ وَ قَامَ الْقَآئِمُ بَعْدَهٗ کَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ اَدْرَکَهٗ فَجِدُّوْا وَ انْتَظِرُوْا هَنِیْئًا لَّکُمْ اَیَّتُهَا الْعِصَابَةُ الْمَرْحُوْمَةُ۔

جو شخص قائم آل محمد علیہ السلام کے اصحاب میں شامل ہونا چاہے، اسے چاہیے کہ وہ انتظار کے ساتھ تقوائے الٰہی کو اپنا شعار بنائے اور حسن خلق کو اپنائے۔ ایسا شخص اگر امام زمانہؑ کے ظہور سے پہلے اللہ کو پیارا ہو جائے تو اس کا ثواب اس فرد کے ثواب کے برابر ہے جس نے امامؑ کو پہچان لیا ہے۔ پس جدوجہد کرتے رہو اور انتظار میں رہو۔ اے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے مستحق گروہ! خدا کرے یہ سب کچھ تمہیں نصیب ہو۔[ط]

اسی طرح حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

یَآ اَبَا خَالِدٍ! اِنَّ اَهْلَ زَمَانِ غَیْبَتِهِ الْقَآئِلِیْنَ بِاِمَامَتِهٖ وَ الْمُنْتَظِرِیْنَ لِظُهُوْرِهٖ اَفْضَلُ مِنْ اَهْلِ کُلِّ زَمَانٍ. لِاَنَّ اللّٰهَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی اَعْطَاهُمْ مِنَ الْعُقُوْلِ وَ الْاَفْهَامِ وَ الْمَعْرِفَةِ مَا صَارَتْ بِهِ الْغَیْبَةُ عِنْدَهُمْ بِمَنْزِلَةِ

ط۔ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۱۴۰۔

الْمُشَاهَدَةِ وَ جَعَلَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ الزَّمَانِ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِيْنَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ص) بِالسَّيْفِ. اُولٰٓئِكَ الْمُخْلَصُوْنَ حَقًّا وَ شِيْعَتُنَا صِدْقًا وَ الدُّعَاةُ اِلٰى دِيْنِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ سِرًّا وَ جَهْرًا۔

اے ابوخالد! امام زمانہ علیہ السلام کی غیبت کے زمانے میں آپؑ کی امامت کے قائل لوگ جو آپؑ کے ظہور کے منتظر ہوں گے، تمام زمانوں کے لوگوں سے افضل ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عقل وفہم اور معرفت کی نعمتوں سے اس طرح نوازا ہے کہ امام زمانہ علیہ السلام کی غیبت ان کیلئے مشاہدے کی مانند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آنحضرت گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں شمشیر زن مجاہدین کا درجہ دیا ہے۔ یہ لوگ حقیقی مخلص، ہمارے سچے پیروکار اور خفیہ اور برملا دین خدا کی دعوت دینے والے ہیں۔[1]

پس مذکورہ روایات کی روشنی میں منتظرین کی درج ذیل خصوصیات واوصاف ہیں:

- اطاعت خدا اور رسولؐ سے سرشار ہوں گے۔
- تقوائے الٰہی ان کا شعار ہوگا۔
- اچھے اخلاق کے مالک ہوں گے۔
- دین الٰہی میں جدوجہد اور کوشش کرنے والے ہوں گے۔
- خدا اور رسولؐ کے دشمنوں سے بیزار اور ان کے محبوں کے ساتھ محبت کرنے والے ہوں گے۔
- اہل زمانہ سے افضل ہوں گے۔
- ان کی فکری، عقلی اور علمی سطح دوسروں سے بلند ہوگی۔
- پردۂ غیبت میں حضرت امام زمانہ علیہ السلام کو اپنا حاکم سمجھتے ہوں گے اور آپؑ کی امامت اور ظہور پر پختہ یقین رکھتے ہوں گے۔

---

[1] کمال الدین وتمام النعمۃ، ج ۱، ص ۳۲۰۔

- منتظرین کے حقیقی انتظار کا مقام پیغمبرؐ کے ساتھ تلوار اٹھا کر جہاد کرنے والوں کے مقام کے برابر ہوگا۔
- اپنے قول و فعل میں مخلص ہوں گے۔
- سچے اور پکے پیروکار ہوں گے۔
- شریعت الٰہیہ کی خفیہ اور کھل کر دعوت دیں گے۔

پس ایسے ہی لوگ خوش قسمت اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کے مستحق ہیں۔ خداوند عالم سب مسلمانوں کو حقیقی انتظار کی لذت نصیب فرمائے اور پروردگار ہمیں اپنے نیک اور مخلص عبادت گزار بندوں میں شمار فرمائے۔ آمین!

*****

حضرت امام زمانہ علیہ السلام ذات میں انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

ہمارے قائم (امام زمانہ) علیہ السلام میں مختلف انبیائے عظام علیہم السلام کی خصوصیات پائی جائیں گی۔ ان میں ایک خصوصیت ہمارے والد حضرت آدم علیہ السلام کی، ایک حضرت نوح علیہ السلام کی، ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی، ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی، ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی، ایک حضرت ایوب علیہ السلام کی اور ایک خصوصیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجود ہوگی۔ آپؑ حضرت آدم و نوح علیہما السلام کی طرح طویل العمر ہوں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپؑ کو دشمنوں کی جانب سے خوف لاحق ہوگا اور آپؑ پردۂ غیبت میں جائیں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مانند لوگ آپؑ کے بارے میں اختلاف کریں گے، حضرت ایوب علیہ السلام کی مانند آپؑ کو آزمائش و مصیبت کے بعد گشائش و نصرت حاصل ہوگی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح آپؑ خروج بالسیف کریں گے۔

(کمال الدین، شیخ صدوق، ج ۱، ص ۳۲۲)

مقصودِ کعبہ

(حیرت انگیز ولادت اور عقول کی حیرت انگیز ٹھوکریں)

از: علامہ سیّد علی نقی نقوی (نقن)

واقعہ اپنی نوعیت میں نرالا ہو تو کچھ تعجب نہیں کہ اس کے رموز میں سطحی نظریں ٹھوکریں کھاتی پھریں اور ناقص عقلیں اس کی تہہ تک پہنچنے کی فکر میں تاریکی وغموض کے پر پیچ راستوں کے اندر ہاتھ پاؤں مارتی رہیں اور پھر جب کہ اس غور وفکر کے اندر کوئی ذاتی جذبہ بھی کارفرما ہو۔

جس طرح پہلی تاریخ کے چاند پر غور کرنے والا شخص بسا اوقات اپنی قوت متخیلہ کی امداد سے بہت سے ایسے چاند دیکھ لیتا ہے جن کا وجود نہیں ہے اور کبھی یقین بھی کر لیتا ہے کہ بیشک میں نے چاند دیکھا، حالانکہ چاند کا پتہ نہیں اور کسی کے انتظار میں دروازے کی کھٹکھٹاہٹ پر کان لگانے والا ہر مرتبہ اس کا احساس کرتا ہے کہ کوئی پکار رہا ہے، یا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اسی طرح کسی خاص جذبہ کے ماتحت عقل پر زور دینے والا بہت سی باتوں کو حقیقت کے لباس میں دیکھنے لگتا ہے، حالانکہ ان کو حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

بے شک جس طرح پہلے کا علاج یہ ہے کہ وہ نظر کو گاڑ کر دیکھے تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ جس کو چاند سمجھ رہا ہے وہ ایک خط وہمی ہے اور پورے طور سے دھیان کر کے سنے تو معلوم ہو کہ اس کی سنی ہوئی آواز خود اسی کے کانوں کی پیداوار ہے۔ اسی طرح اس کی تدبیر یہ ہے کہ وہ اپنے ذہن کو ہر قسم کے جذبات سے صاف کر کے حقیقت پر بغیر کسی لگاوٹ کے غور کرے اور اپنے خیالات کا عقلی ونقلی مسلمہ مقدمات کے معیار کے مطابق جائزہ لے تو معلوم ہو جائے گا کہ جسے وہ حقیقت سمجھتا تھا وہ سرابِ خیال ہے۔

۱۳ رجب اور حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی ولادتِ خانہ کعبہ کا واقعہ خود اپنی نوعیت میں بے نظیر تھا

اور پھر عام اعتقادات نے ظاہری ترتیب خلافت کو ترتیبِ فضیلت کا معیار قرار دے کر ذہنیتوں میں جو جمود پیدا کر دیا ہے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ امیر المومنین علیہ السلام کی ہر فضیلت پر جو حضرتؑ کی ذات سے مخصوص ہے، اسی جذبہ کے تحت نظر کی گئی کہ وہ اپنے ذاتی خیالات وجذبات میں رخنہ انداز ہے۔ لہٰذا کوشش سے ایسے وجوہ کی تلاش کی جائے جو اس فضلیت کو پامال یا کم سے کم مشکوک بنا دینے کا ذریعہ ہو سکیں۔ چنانچہ ولادت امیر المومنینؑ کے متعلق بھی طرح طرح کے اعتراضات پیش کر کے پردہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے جن پر اسلامی احادیث وسیرت کی روشنی میں منصفانہ نظر ڈالنا تحقیق پسند انسان کا فرض ہے۔

پہلا اعتراض: کعبہ کے احترام پر گستاخانہ جملہ

''امیر المومنینؑ کی خانہ کعبہ میں ولادت کے وقت، کعبہ قبلہ نہ تھا، بت خانہ تھا۔ تو ایک بت خانہ میں پیدا ہونا کون سے شرف کی بات ہے؟!''۔

اس اعتراض کی جو نوعیت ہے وہ درحقیقت بیت اللہ الحرام خانہ کعبہ کی توہین اور اس کی عظمت و جلالت کی سبک اندیشی پر مشتمل ہے۔ اعتراض سے صاف ظاہر ہے کہ کعبہ کو جو کچھ شرف حاصل ہوا ہے وہ قبلہ ہونے کے بعد ہے اور اس کے قبل وہ عام بت خانوں کے مثل ایک بت خانہ تھا، لیکن یہ خیال بالکل تاریخ وحدیث اور اسلامی آثار سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ سرزمین مکہ کا یہ مقدس گھر جس کا نام کعبہ ہے، اپنے احترام وجلالت میں کسی خاص وقت وزمانہ کا پابند نہیں ہے، بلکہ اول مبدء تکوین ہی سے اس کی جلالت قدر اور رفعت وعظمت محفوظ تھی۔ وہ وقت کہ جب بنی آدمؑ کا وجود نہ تھا اور ورقِ عالم وجودِ انسان کے نقش سے سادہ تھا اس وقت بھی یہ گھر اپنے مرتبہ وعظمت میں مخصوص امتیاز کا مالک تھا اور اسی وجہ سے جب بنی آدمؑ کا وجود ہوا تو ان کیلئے طواف وعبادت کے واسطے یہی گھر منتخب ہوا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝﴾

یقین جانو کہ سب سے پہلا گھر جو بنی آدمؑ کیلئے قرار دیا گیا وہ گھر ہے جو مکہ میں ہے وہ

مبارک ہے اور تمام عالم کی ہدایت کا باعث ہے۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، جیسے مقام ابراہیمؑ، جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ امان میں ہے اور خدا کیلئے لوگوں پر اس گھر کا حج واجب ہے اس شخص پر جو اس کی قدرت رکھتا ہو اور جو شخص کفر اختیار کرے، خدا تمام عالم سے بے نیاز ہے۔[1]

تفسیر بیضاوی میں جو اہل سنت کی مستند کتاب ہے، آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

هُوَ اَوَّلُ بَيْتٍ بَنَاهُ اٰدَمُ فَانْطَمَسَ فِي الطُّوْفَانِ ثُمَّ بَنَاهُ اِبْرَاهِيْمُ وَ قِيْلَ كَانَ فِيْ مَوْضِعِهٖ قَبْلَ اٰدَمَ بَيْتٌ يُقَالُ لَهُ الضُّرَاحُ يَطُوْفُ بِهِ الْمَلٰٓئِكَةُ فَلَمَّا اُهْبِطَ اٰدَمُ اُمِرَ بِاَنْ يَحُجَّهُ وَ يَطُوْفَ حَوْلَهُ وَ رُفِعَ فِي الطُّوْفَانِ اِلَى السَّمَآءِ الرَّابِعَةِ تَطُوْفُ بِهٖ مَلٰٓئِكَةُ السَّمٰوٰتِ۔

یہ سب سے پہلا گھر ہے جس کو حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا، لیکن طوفان نوحؑ میں وہ بے نشان ہو گیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تعمیر کی اور بعض نے کہا کہ اسی جگہ پر حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ایک گھر تھا جس کا نام تھا ''ضراح'' اور ملائکہ اس کا طواف کیا کرتے تھے، جب آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے تو ان کو حکم ہوا کہ اس کا حج کریں اور اس کے گرد طواف کریں اور طوفان نوحؑ میں آسمان چہارم پر اٹھا لیا گیا کہ ملائکہ آسمان اس کا طواف کریں۔[2]

پھر سورۂ ابراہیمؑ میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ

---

[1] سورۂ آل عمران، آیت ۹۶۔۹۷۔

[2] تفسیر بیضاوی، ج ۲، ص ۲۹۔

النَّاسِ تَهْوِيٓ إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿٣٧﴾

اور جبکہ کہا ابراہیمؑ نے پروردگار! اس شہر کو جائے امن قرار دے اور مجھ کو اور میری اولاد کو بچا اس بات سے کہ ہم بتوں کی پوجا پاٹ کریں۔ پروردگار! یہ بت بہت سے لوگوں کی گمراہی کا باعث ہوتے ہیں تو جو شخص میری پیروی کرے وہ مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو مغفرت و رحم تیرا کام ہے۔ پروردگار! میں نے اپنی اولاد میں سے کچھ کو ساکن کیا ہے ایسی وادی میں جو بے زراعت ہے، تیرے محترم گھر کے پاس۔ بارالہا! تا کہ یہ نماز کو قائم کریں۔ اب تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف موڑ دے اور ان کو میوۂ دل کے ساتھ رزق پہنچا۔ اس لئے کہ یہ تیرا شکر ادا کریں۔[1]

علامہ بیضاوی اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

﴿عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ﴾ الَّذِیْ حُرِّمَتِ التَّعَرُّضُ لَهٗ وَ التَّهَاوُنُ بِهٖ، اَوْ لَمْ يَزَلْ مُعَظَّمًا مُمْتَنِعًا تَهَابُهُ الْجَبَابِرَةُ، اَوْ مُنِعَ مِنْهُ الطُّوْفَانُ فَلَمْ يَسْتَوْلِ عَلَيْهِ وَ لِذٰلِكَ سُمِّیَ عَتِيْقًا اَیْ اُعْتِقَ مِنْهُ۔

''تیرے محترم گھر کے پاس'' یعنی وہ گھر جس سے تعرض کو اور جس کی توہین کو تو نے حرام قرار دیا ہے۔ یا جو ہمیشہ سے معظم و محترم رہا ہے کہ بڑے بڑے اہل جبروت اس سے خوف کرتے تھے۔ یا طوفان نوحؑ کو اس سے روک دیا گیا کہ وہ اس پر غلبہ نہ پا سکا۔ اسی وجہ سے اس کا نام ''عتیق'' ہوا یعنی یہ طوفان سے آزاد کیا گیا ہے۔

ان تینوں آیتوں سے بضمیمہ تفسیر چند باتوں کا انکشاف ہوتا ہے:

- ۱۔ کعبہ عالم کے مکانات میں سب سے پہلے خلق ہوا ہے۔
- ۲۔ وہ خدا کی طرف سے متبرک قرار پایا ہے۔
- ۳۔ آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے اس کے طواف و حج کا حکم ہوا اور طوفان کے زمانہ میں ملائکہ اس کا

---

[1] سورۂ ابراہیم، آیت ۳۵۔۳۷۔

طواف کرتے رہے۔

٭ ۴۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا تھی:﴿عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ﴾[1]:''تیرے محترم گھر کے پاس''، اس سے ظاہر ہے کہ خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانہ سے کعبہ کا احترام بجائے خود ثابت ہے۔

٭ ۵۔طوفان نوحؑ جو تمام عالم کو محیط ہو گیا تھا وہ بحکم خدا اس مقام سے علیحدہ تھا اور خانہ کعبہ اس سے محفوظ تھا۔

اس کے علاوہ خانہ کعبہ کی تعمیر جس اہتمام اور جن ہاتھوں سے ہوئی وہ اس گھر کی جلالت وعظمت ثابت کرنے کیلئے بہت کافی ہے۔

سب سے پہلے معمار اس گھر کے ملائکہ مقربین ہیں کہ انہوں نے خدا کے حکم سے آکر اس کی تعمیر کی جس کا تذکرہ علامہ قطب الدین حنفی کی کتاب ''الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام''[2] میں موجود ہے۔

دوسری تعمیر حضرت صفی اللہ آدم علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی۔[3]

تیسری تعمیر اولاد آدمؑ کے ہاتھوں ہوئی اور چوتھی تعمیر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوئی ہے، جس کے متعلق علامہ قطب الدین حنفی لکھتے ہیں:

وَ كَانَ اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ يَبْنِىْ وَ اِسْمَاعِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَنْقُلُ لَهُ الْاَحْجَارَ عَلٰى عَاتِقِهٖ فَلَمَّا ارْتَفَعَ الْبُنْيَانُ قَرُبَ لَهُ الْمَقَامُ فَكَانَ يَقُوْمُ عَلَيْهِ وَ يَبْنِىْ وَيَحُوْلُهُ لَهُ اِسْمَاعِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِىْ نَوَاحِى الْبَيْتِ حَتّٰى انْتَهٰى عَلٰى مَوْضِعِ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ فَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاِسْمَاعِيْلَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ: يَا اِسْمَاعِيْلُ! ائْتِنِىْ بِحَجَرٍ اَضَعُهُ هُنَا يَكُوْنُ عَلَمًا لِّلنَّاسِ يَبْتَدِئُوْنَ مِنْهُ الطَّوَافَ، فَذَهَبَ اِسْمَاعِيْلُ فِىْ طَلَبِهٖ فَجَآءَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْحَجَرِ الْاَسْوَدِ وَ كَانَ

---

[1] سورۂ ابراہیمؑ، آیت ۳۷۔

[2] ص ۳۱۔

[3] الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام، مطبوعہ مصر، ص ۱۳۔

اللہ عَزَّ وَجَلَّ اسْتَوْدَعَہٗ جَبَلَ اَبِیْ قُبَیْسٍ حِیْنَ طُوْفَانِ نُوْحٍ فَوَضَعَہٗ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ مَکَانِہٖ وَ بَنٰی عَلَیْہِ اِبْرَاھِیْمُ وَ ھُوَ حِیْنَئِذٍ یَتَلَالَأُ نُوْرًا فَاَضَاءَ بِنُوْرِہٖ شَرْقًا وَّغَرْبًا وَّشَامًا وَّیَمَنًا اِلٰی مُنْتَھٰی اَنْصَابِ الْحَرَمِ مِنْ کُلِّ نَاحِیَۃٍ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے کاندھے پر پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ جب دیوار بلند ہوگئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پتھر پر کھڑے ہوتے اور تعمیر کرتے تھے اور جناب اسماعیل علیہ السلام مختلف اطراف میں اس پتھر کو منتقل کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حجر اسود کی جگہ تک پہنچے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ تا کہ اس کو یہاں رکھ دوں، وہ لوگوں کیلئے علامت رہے گا کہ اسی سے طواف کی ابتدا کریں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر ڈھونڈنے کیلئے گئے تو ادھر جبرائیل امینؑ، ابراہیمؑ کے پاس حجر اسود لے کر آئے جسے خدا نے طوفان نوحؑ کے زمانے میں کوہ ابوقبیس میں ودیعت کر دیا تھا۔ جبرائیلؑ نے اس کی جگہ پر رکھا اور ابراہیمؑ نے اس پر تعمیر کی اور حجر اسود اس زمانہ میں اپنے نور وضیاء سے چار اطراف سے حدود حرم کو روشن کئے ہوئے تھا۔[1]

اس انتظام واہتمام سے خدا کے حکم سے جس گھر کی تعمیر ہوئی ہو، اس کے شرف وعظمت کا کیا پوچھنا، بلکہ اس صورت حال سے صاف ظاہر ہے کہ کعبہ کا شرف اور اس کی عظمت قبلہ مسلمین ہونے کے بعد سے نہیں ہے، بلکہ روز اوّل جبکہ قسّام ازل فضل وشرف کی تقسیم کر رہا تھا اس وقت تمام امکنہ عالم میں کعبہ معزز وممتاز ہو گیا تھا اور اس کو شرف وعظمت حاصل ہو چکا تھا۔ کعبہ میں بتوں کے رکھ دینے سے کعبہ کی عظمت گھٹ نہیں سکتی بلکہ یہ کفار مکہ کی نافہمی اور ناقدر شناسی تھی کہ انہوں نے ایسے متبرک وباعظمت مقام کو اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کیلئے منتخب کیا اور درحقیقت اگر غور کیا جائے تو اس کا باعث بھی کعبہ کی عظمت وشرف ہی تھا، چونکہ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کی زبان سے کعبہ کی عظمت گوش زد ہو کر دلوں میں راسخ ہوگئی تھی اس وجہ سے ان لوگوں نے اپنے معبود دل کیلئے اس گھر سے بہتر کوئی جگہ نہ پائی، لیکن اس کی وجہ

---

[1] الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام، ص ۱۴۔

سے کعبہ کی عظمت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچ سکتا۔

فتح مکہ ۸ ھ میں ہوئی ہے اور بتوں کا اخراج اسی سال ہوا ہے۔ یہ رسولؐ کی زندگی کا تقریباً آخری دور تھا۔ معترض کے مذاق کے موافق اسکے پہلے کعبہ بت خانہ تھا اور بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تحویل قبلہ اس سے بہت پہلے کا واقعہ ہے۔ تو کیا کہا جاسکتا ہے کہ خدا نے ایک بت خانہ کو قبلہ مسلمین بنادیا؟

اسی طرح وجوب حج کی آیت بھی ۶ ھ میں اتری ہے جو بت شکنی کے تین سال پہلے کا واقعہ ہے۔ تو کیا خدا نے بت خانہ کا حج وطواف مسلمانوں پر واجب کیا تھا؟

جناب عبدالمطلبؑ کے زمانہ میں ابرہہ کا حملہ اور اصحاب فیل کی یورش اور قدرت خدا سے ابابیلی عسکر کے ہاتھوں اس کی تباہی قرآن مجید کے صفحات پر موجود ہے۔ کیا خدا کی طرف سے ایک بت خانہ کی حفاظت یوں ہی کی جاتی ہے؟

معلوم ہوا کہ بتوں کے رکھ دینے سے کعبہ کا شرف گھٹ نہیں گیا تھا۔ اسی وجہ سے کعبہ کے قبلہ بنانے اور اس کا حج واجب کرنے میں بتوں کے ہٹنے کا انتظار نہیں کیا گیا اور ابرہہ کے حملہ سے حفاظت بھی اخراج اصنام پر موقوف نہیں رہی۔

کعبہ بیت اللہ الحرام تھا جس کا حج وطواف ہمیشہ سے واجب ہے اور چونکہ تمام امکنہ عالم میں افضل و بہتر تھا، خدا کی طرف سے امیر المومنین علیہ السلام کی ولادت کیلئے منتخب ہوا اور اس نے اپنی قدرت و حکمت سے بند دروازہ کو چھوڑ کر نیا در بنایا اور اپنے بندہ خاص کی ولادت کیلئے اپنے خاص گھر کو خالی کر دیا اور لطف یہ ہے کہ کعبہ کے دامن پر بت خانہ کے لفظ کو کہہ کر جو دھبہ لگایا گیا تھا اس کے چھڑانے کا سہرا بھی اسی مولود کے سر بندھا اور دوش نبیؐ پر قدم رکھ کر کسر اصنام اسی ہستی کے دفتر فضائل کا ایک مختصر باب ہے۔

دوسرا اعتراض

''پیدائش کے وقت زچہ جس طرح کی نجاسات سے آلودہ رہتی ہے، وہ کسی طرح کعبہ کی طہارت و عزت سے مناسبت نہیں رکھتے، لہٰذا یہ روایت ماننے کے قابل نہیں ہے''۔

یہ سوال درحقیقت خداوند عالم پر اعتراض کی شان رکھتا ہے۔ بعد اس کے کہ شیعہ وسنی دونوں فریق کی

کتابوں سے یہ مطلب بالکل ثابت ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام کی ولادت خداوند عالم کے حکم سے کعبہ مشرفہ کے اندر ہوئی اور فاطمہ بنت اسدؑ کو خداوند عالم نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ کعبہ کے اندر جگہ دی، تو اب اس سوال کا موقع ہی نہیں رہتا کہ کعبہ مطہر ہے اور ولادت کے وقت زچہ نجاست سے آلودہ ہوتی ہے۔

معترض کی نظر میں شاید نظام عادی غیر ممکن التبدل ہے اور خداوند عالم (نعوذ باللہ) اس کے تغیر وتبدل سے عاجز ہے اور خدا کا دائرہ قدرت واختیار تنگ ہے۔ جن چیزوں کا وجود عقلاً محال ہے، ان سے بے شک قدرت کا تعلق نہیں ہوتا، لیکن جو چیزیں عقلاً محال نہ ہوں اور امکانی حدود کے اندر ہوں ان کا نظام عادی کے خلاف واقع ہونا کسی عقلی ہدایت یا نظریہ کے خلاف نہیں ہے۔

ولادت کے وقت عورتوں کا معمولی نجاسات سے ملوث ہونا نظامِ عادی کے مطابق سہی مگر عقلاً ضروری نہیں ہے اور نہ اس کے خلاف کوئی عقلی فیصلہ موجود ہے۔ ایسی صورت میں جناب خداوند عالم نے فاطمہ بنت اسدؑ کو اپنے حکم سے کعبہ کے اندر داخل کیا اور اس ولادت کو وہاں واقع ہونے دیا تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس نے اپنے معزز ومحترم گھر کی طہارت کا خیال رکھا ہے۔

اگر قرآن وحدیث کی روشنی میں نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ وہ مولود تھا جس کی طہارت کا خداوند عالم اپنی قوت طاہرہ کے ساتھ ضامن ہو چکا تھا اور اس کی پاکیزگی پر نہ ٹلنے والا ازلی ارادہ قائم تھا اور اسی بنا پر اسلامی کتب احادیث میں ایسی تصریحات موجود ہیں جو اس مقدس ذات کی غیر معمولی طہارت کا پتہ دیتی ہیں۔ چنانچہ علامہ منادی مصری نے کنوز الدقائق میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

لَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ اَنْ یُجْنِبَ فِی الْمَسْجِدِ اِلَّا اَنَا وَعَلِیٌّ۔

کسی شخص کو جائز نہیں کہ وہ مسجد میں جنب ہو، سوائے میرے یا علیؑ کے۔[1]

اور ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ج ۱۱، ص ۲۹۸۔

يَا عَلِيُّ! لَا يَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ يُجْنِبَ فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ غَيْرِيْ وَ غَيْرِكَ۔

اے علیؑ! کسی شخص کیلئے حلال نہیں ہے کہ وہ اس مسجد میں جنب ہو، سوائے میرے اور تمہارے۔[1]

اور شیخ سلیمان بلخی قندوزی نے ینابیع المودۃ میں روایت کی ہے کہ حضرت رسول ﷺ نے ایک طویل حدیث کے ضمن میں فرمایا:

اِنَّ عَلِيًّا مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى. وَ هُوَ اَخِيْ. وَ لَا يَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ يَّنْكِحَ فِيْهِ النِّسَآءَ اِلَّا عَلِيٌّ وَ ذُرِّيَّتُهٗ۔

بیشک علی علیہ السلام کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔ یہ میرے بھائی ہیں اور سوائے علی علیہ السلام اور ان کی اولاد کے کسی کو مسجد نبوی میں نکاح کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔[2]

اس قسم کی بہت سی احادیث کتب اہل سنت میں موجود ہیں اور ان کے علاوہ اگر ان احادیث پر نظر کی جائے جن میں جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے ''بتول'' نام ہونے کی وجہ سے بیان کی گئی ہے تو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان حضراتؑ کی طہارت اس حد پر تھی کہ وہ اوقات جن میں عام افراد نجس سمجھے جاتے ہیں ان میں بھی ان حضراتؑ کی طہارت اپنی حالت پر باقی رہتی تھی اور ان حضراتؑ کے دامن تک نجاست کا گزر نہ تھا۔

پھر ان احادیث کو دیکھتے ہوئے جو مستند اسلامی کتب میں موجود ہیں خانہ کعبہ میں امیر المومنینؑ کی ولادت میں کونسا استبعاد ہوسکتا ہے؟ مولود جب اتنا مطہر و معصوم تھا تب ہی خالق کائنات کی جانب سے خانہ کعبہ کو جس کی تطہیر کا ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کو حکم ہو چکا تھا اور ﴿اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ﴾[3] کہہ کہ اس کی طہارت

---

[1] تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۳۱۲۔

[2] ینابیع المودۃ، ج ۱، ص ۲۵۹۔

[3] سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۵۔

میں اہتمام کا اظہار کر دیا گیا تھا اس ولادت کیلئے خالی کر دیا گیا اور بیت اللہ میں ولی اللہ کی ولادت ہوئی۔

تیسرا اعتراض

''یہ روایت کتب اہل سنت میں مذکور نہیں ہے''۔

اس کیلئے ان اجلہ علمائے اہل سنت کا نام لکھ دینا کافی ہے جن کا اس روایت کو ذکر کرنا اس کے صحت واعتبار کا ضامن ہے:

ابن مغازلی شافعی مصنف کتاب ''مناقب''،

علامہ بدخشی، مصنف ''نزل الابرار''،

کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی، مصنف ''مطالب السئول''،

ملا محمد ترمذی کشفی، مصنف ''مناقب مرتضوی''،

شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصنف ''مدارج النبوۃ''،

مولوی محمد حسین فرنگی محلی، مصنف ''وسیلۃ النجاۃ''،

سبط ابن جوزی، مصنف ''تذکرہ خواص الائمہ''،

علی بن برہان الدین شافعی، مصنف ''انسان العیون،

موفق بن احمد خوارزمی، مصنف کتاب ''مناقب،

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، صاحب ''ازالۃ الخفاء''۔

مؤخر الذکر بزرگ یعنی بیہقی ہند حضرت محدث دہلوی نے تو صاف صاف اس روایت کے تواتر کی گواہی دی ہے اور تحریر فرماتے ہیں:

قَدْ تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ اِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ اَسَدٍ وَلَدَتْ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيًّا فِيْ جَوْفِ الْكَعْبَةِ فَاِنَّهٗ وُلِدَ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ ثَالِثَ عَشَرَ مِنْ شَهْرِ رَجَبٍ بَعْدَ عَامِ الْفِيْلِ بِثَلٰثِيْنَ سَنَةً فِي الْكَعْبَةِ وَلَمْ يُوْلَدْ فِيْهَا اَحَدٌ سِوَاهُ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ۔

اخبار متواترہ سے ثابت ہے کہ فاطمہ بنت اسد کے بطن سے امیر المومنینؑ کی ولادت عین

کعبہ کے اندر واقع ہوئی اور آپؑ روز جمعہ ۱۳ رجب عام الفیل سے تیس برس کے بعد کعبہ میں پیدا ہوئے اور کعبہ کے اندر کوئی شخص آپؑ کے قبل اور آپؑ کے بعد پیدا نہیں ہوا۔

اس عبارت سے جہاں اس واقعہ کا تواتر ثابت ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ فضیلت حضرتؑ سے مخصوص ہے اور آپؑ کے قبل و بعد کسی کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا مگر کیا کہا جائے تعصب کو کہ جب امیر المومنینؑ کی اس فضیلت کا انکار نقش بر آب ہوا اور اسلامی تاریخ نے دھنوں پر ہاتھ رکھ دیا تو یہ قول تراشا گیا کہ یہ فضیلت امیر المومنینؑ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ''حکیم بن حزام'' بھی جاہلیت میں کعبہ کے اندر پیدا ہوا تھا۔

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ایسے متبحر عالم اپنی کتاب میں کیوں لکھ دیتے ہیں کہ: **لَمْ یُوْلَدْ فِیْهَا اَحَدٌ سِوَاهُ قَبْلَهُ وَ لَا بَعْدَهُ**: ''علیؑ کے پہلے اور ان کے بعد کوئی شخص کعبہ میں پیدا نہیں ہوا''۔

اور اخطب خوارزم مناقب میں لکھتے ہیں:

وَ لَمْ یُوْلَدْ فِی الْبَیْتِ الْحَرَامِ قَبْلَهُ اَحَدٌ سِوَاهُ، وَ هِیَ فَضِیْلَةٌ خَصَّهُ اللهُ تَعَالٰی بِهَا اِجْلَالًا لَّهُ وَ اِعْلَاءً لِمَرْتَبَتِهٖ۔

علیؑ کے قبل بیت اللہ میں کوئی شخص پیدا نہیں ہوا اور یہ وہ فضیلت ہے جس کو خدا نے اجلال و احترام کی غرض سے آپؑ کے ساتھ مخصوص قرار دیا۔[ط]

کیا یہ لوگ جاہل تھے! تنگ نظر تھے؟ یا شیعہ تھے؟ یا تاریخ و حدیث سے بے خبر تھے؟ یقیناً ان مستند علماء کی تصریحات کے بعد اس خیال کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی۔

*****

ط فصول المہمۃ، ص ۱۲۔ اسد الغابہ، ج ۴، ص ۱۶۔

علوم اہلبیتؑ کے سرچشمے

قسط:21

از: آیت اللہ محمد محمدی ری شہری

ترجمہ: علامہ ذیشان حیدر جوادی

ا۔ تعلیم پیغمبر اسلامؐ:

[1] اَلْاِمَامُ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: كُنْتُ اِذَا سَئَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ اَعْطَانِيْ، وَ اِذَا سَكَتُّ ابْتَدَاَنِيْ۔

حضرت امام علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: میں جب بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی علم کا سوال کرتا تھا تو مجھے عطا فرما دیتے تھے اور اگر خاموش رہ جاتا تھا تو از خود ابتدا فرماتے تھے۔[1]

[2] مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّهٗ قِيْلَ لِعَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَا لَكَ اَكْثَرُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ حَدِيْثًا؟ فَقَالَ: اِنِّيْ كُنْتُ اِذَا سَئَلْتُهٗ اَنْبَاَنِيْ، وَ اِذَا سَكَتُّ ابْتَدَاَنِيْ۔

محمد بن عمر بن علی کا بیان ہے کہ: حضرت امام علی علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ تمام اصحاب میں سب سے زیادہ احادیث رسولؐ آپؑ کے پاس کیوں ہیں؟ تو فرمایا کہ: میں جب حضرتؐ سے سوال کرتا تھا تو مجھے باخبر کر دیا کرتے تھے اور جب چپ رہتا تھا تو از خود ابتدا فرماتے تھے۔[2]

---

[1] سنن ترمذی، ج ۵، ص ۶۳۷، حدیث ۳۷۲۲، ص ۶۴۰، حدیث ۳۷۲۹۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۳۵، حدیث ۴۶۳۰۔ اسد الغابہ، ج ۴، ص ۱۰۴۔ خصائص نسائی، ص ۲۲۱، حدیث ۱۱۹۔ امالی شیخ صدوق، ص ۲۰۲، حدیث ۱۳۔ العمدۃ، ص ۲۸۳، حدیث ۴۶۱۔ الکافی، ج ۱، ص ۶۴، حدیث ۱۔ احتجاج طبرسی، ج ۱، ص ۶۱۶، حدیث ۱۳۹۔ روضۃ الواعظین، ص ۳۰۸۔

[2] الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۳۸۔ الصواعق المحرقہ، ص ۱۲۳۔ تاریخ الخلفاء، ص ۲۰۲۔

[3] اُمُّ سَلَمَةَ: كَانَ جَبرَئِيْلُ يُمِلُّ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ رَسُوْلُ اللهِ يُمِلُّ عَلٰى عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

جناب بی بی اُم سلمہؓ روایت کرتی ہیں: جبریل امینؑ جو کچھ رسول اکرم ﷺ کے حوالے کرتے تھے حضور ﷺ اسے حضرت علی علیہ السلام کے سپرد کر دیا کرتے تھے۔[1]

[4] اَلْاِمَامُ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَيْسَ كُلُّ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ مَنْ كَانَ يَسْئَلُهٗ وَ يَسْتَفْهِمُهٗ. حَتّٰى اَنْ كَانُوْا لَيُحِبُّوْنَ اَنْ يَجِيْٓءَ الْاَعْرَابِيُّ وَ الطَّارِئُ فَيَسْئَلَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى يَسْمَعُوْا۔ وَ كَانَ لَا يَمُرُّ بِيْ مِنْ ذٰلِكَ شَيْءٌ اِلَّا سَئَلْتُهٗ عَنْهُ وَ حَفِظْتُهٗ[4]۔

حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا: (رعب پیغمبر اکرم ﷺ کی وجہ سے) صحابۂ کرامؓ میں سے کسی کو رسول اکرم ﷺ سے کلام کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ سب انتظار کیا کرتے تھے کہ کوئی دیہاتی یا مسافر آکر دریافت کرے تو وہ بھی سن لیں، لیکن میرے سامنے جو مسئلہ بھی آتا تھا میں اس کے بارے میں سوال کر لیتا تھا اور اسے محفوظ کر لیتا تھا۔[2]

[5] عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۔ لَمَّا قَالَ لَهٗ بَعْضُ اَصْحَابِهٖ: لَقَدْ اُعْطِيْتَ يَآ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عِلْمَ الْغَيْبِ! فَضَحِكَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ قَالَ لِلرَّجُلِ، وَ كَانَ كَلْبِيًّا: يَآ اَخَا كَلْبٍ، لَيْسَ هُوَ بِعِلْمِ غَيْبٍ، وَ اِنَّمَا هُوَ تَعَلُّمٌ مِّنْ ذِيْ عِلْمٍ. وَ اِنَّمَا عِلْمُ الْغَيْبِ عِلْمُ السَّاعَةِ، وَ مَا عَدَّدَهُ اللهُ سُبْحَانَهٗ بِقَوْلِهٖ: ﴿اِنَّ اللهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ ...﴾[3]. فَيَعْلَمُ اللهُ سُبْحَانَهٗ مَا فِي الْاَرْحَامِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى، وَ قَبِيْحٍ اَوْ جَمِيْلٍ، وَ سَخِيٍّ اَوْ بَخِيْلٍ، وَ شَقِيٍّ اَوْ سَعِيْدٍ، وَ مَنْ يَّكُوْنُ فِي النَّارِ حَطَبًا، اَوْ فِي الْجِنَانِ لِلنَّبِيِّيْنَ مُرَافِقًا. فَهٰذَا عِلْمُ الْغَيْبِ الَّذِيْ لَا يَعْلَمُهٗ اَحَدٌ اِلَّا اللهُ، وَ مَا سِوٰى ذٰلِكَ فَعِلْمٌ عَلَّمَهُ اللهُ نَبِيَّهٗ فَعَلَّمَنِيْهِ، وَ دَعَا لِيْ بِاَنْ يَّعِيَهٗ صَدْرِيْ، وَ تَضْطَمَّ عَلَيْهِ جَوَانِحِيْ۔

جب حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے ایک صحابی نے کہا کہ: کیا آپؑ کے پاس علم غیب بھی ہے؟ تو

---

[1] مناقب ابن المغازلی، ص، ۲۵۳، حدیث ۳۰۲۔

[2] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۲۱۰۔

[3] سورۂ لقمان، آیت ۳۴۔

آپؑ نے مسکرا کر اس مرد کلبی سے فرمایا: یہ علم غیب نہیں ہے بلکہ یہ صاحب علم سے استفادہ ہے، علم غیب سے مراد قیامت کا علم ہے اور ان چیزوں کا علم ہے جن کا ذکر سورۂ لقمان کی اس آیہ مجیدہ میں ہے جس میں ارشاد ہے: ''بیشک خدا کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہی بارش کے قطرے برساتا ہے اور وہی پیٹ کے اندر بچے کے حالات جانتا ہے اور کسی نفس کو نہیں معلوم کہ کل کیا حاصل کرے گا اور نہ یہ معلوم ہے کہ کس سرزمین پر موت آئے گی''۔ پروردگار ان تفصیلات کو جانتا ہے کہ پیٹ کے اندر لڑکا ہے یا لڑکی، پھر وہ حسین ہے یا بدصورت، سخی ہے یا بخیل، شقی ہے یا نیک بخت، جہنم کا ایندھن بنے گا یا جنت میں انبیاء علیہم السلام کا رفیق۔ یہ وہ علم غیب ہے جسے پروردگار کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے۔ اس کے علاوہ جس قدر بھی علم ہے اسے مالک نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تعلیم کیا ہے اور انہوں نے میرے حوالے کر دیا ہے اور میرے حق میں دُعا کی ہے کہ میرے سینہ میں محفوظ ہو جائے اور میرے پہلو سے نکل کر باہر نہ جانے پائے۔[1]

[6] عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ فِيْ صِفَةِ اٰلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ۔: هُمْ مَوْضِعُ سِرِّهٖ، وَلَجَأُ اَمْرِهٖ، وَ عَيْبَةُ عِلْمِهٖ، وَ مَوْئِلُ حُكْمِهٖ، وَ كُهُوْفُ كُتُبِهٖ، وَ جِبَالُ دِيْنِهٖ، بِهِمْ اَقَامَ انْحِنَآءَ ظَهْرِهٖ، وَ اَذْهَبَ ارْتِعَادَ فَرَآئِصِهٖ۔

حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا: اہلبیتِ پیغمبر علیہم السلام مالک کے راز کے محل، اس کے امر کی پناہ گاہ، اس کے علم کا ظرف، اس کے حکم کا مرجع، اس کی کتابوں کی آماجگاہ اور اس کے دین کے پہاڑ ہیں، انہی کے ذریعہ اس نے دین کی ہر کجی کو سیدھا کیا ہے اور اس کے جوڑ بند کے رعشہ کو دور کیا ہے۔[2]

[7] اَلْاِمَامُ الْبَاقِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّآ اَهْلُ بَيْتٍ مِّنْ عِلْمِ اللهِ عُلِّمْنَا، وَ مِنْ حُكْمِهٖ اَخَذْنَا، وَ قَوْلَ صَادِقٍ سَمِعْنَا، فَاِنْ تَتَّبِعُوْنَا تَهْتَدُوْا۔

حضرت امام باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے: ہم اہلبیتؑ وہ ہیں جنہیں مالک کے علم سے علم ملا ہے اور اس کے حکم سے ہم نے اخذ کیا ہے اور قول صادق سے سنا ہے تو اگر ہماری اتباع کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔[3]

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۲۸۔

[2] نہج البلاغہ خطبہ، خطبہ نمبر ۲۔

[3] مختصر بصائر الدرجات، ص ۶۳۔ بصائر الدرجات، ص ۵۱۴، حدیث ۳۴۔

[8] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّ عِلْمَ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ (مِنْ) عِلْمِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ فَعَلِمْنَاهُ نَحْنُ فِيْمَا عَلِمْنَاهُ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: حضرت علی علیہ السلام بن ابی طالب کا علم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم سے تھا اور ہم نے ان سے حاصل کیا ہے۔[1]

۲۔ اصولِ علم:

[9] اَلْاِمَامُ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: عِنْدَنَا اَهْلَ الْبَيْتِ مَفَاتِيْحُ الْعِلْمِ، وَ اَبْوَابُ الْحِكْمَةِ، وَ ضِيَآءُ الْاَمْرِ، وَ فَصْلُ الْخِطَابِ۔

حضرت امام علی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: ہم اہلبیتؑ کے پاس علم کی کنجیاں، حکمت کے ابواب، مسائل کی روشنی اور حرف فیصل ہے۔[2]

[10] اَلْاِمَامُ الْبَاقِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَوْ كُنَّا نُفْتِي النَّاسَ بِرَاْيِنَا وَ هَوَانَا لَكُنَّا مِنَ الْهَالِكِيْنَ، وَ لٰكِنَّا نُفْتِيْهِمْ بِاٰثَارٍ مِّنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اُصُوْلِ عِلْمٍ عِنْدَنَا نَتَوَارَثُهَا كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ، نَكْنِزُهَا كَمَا يَكْنِزُ هٰؤُلَآءِ ذَهَبَهُمْ وَ فِضَّتَهُمْ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اگر ہم لوگوں کے درمیان ذاتی رائے اور خواہش سے فتویٰ دیتے تو ہم بھی ہلاک ہوجاتے، ہمارے فتاویٰ کی بنیاد آثار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصول علم ہیں جو ہم کو بزرگوں سے وراثت میں ملے ہیں اور ہم انہیں اس طرح محفوظ کئے ہوئے ہیں جس طرح اہل دنیا سونے چاندی کے ذخیروں کو محفوظ کرتے ہیں۔[3]

[11] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَوْ لَا اَنَّ اللهَ فَرَضَ طَاعَتَنَا وَ وَلَايَتَنَا وَ اَمَرَ مَوَدَّتَنَا مَا اَوْقَفْنَاكُمْ عَلٰى اَبْوَابِنَا، وَ لَاَ اَدْخَلْنَاكُمْ بُيُوْتَنَا، اِنَّا وَاللهِ! مَا نَقُوْلُ بِاَهْوَائِنَا، وَ لَا نَقُوْلُ بِرَاْيِنَا، وَ لَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا قَالَ رَبُّنَا، وَ اُصُوْلٌ عِنْدَنَا نَكْنِزُهَا كَمَا يَكْنِزُ هٰؤُلَآءِ ذَهَبَهُمْ وَ فِضَّتَهُمْ۔

---

[1] الاختصاص، ص ۲۷۹۔ بصائر الدرجات، ص ۲۹۵، حدیث ۱۔

[2] المحاسن، ج ۱، ص ۳۱۶، حدیث ۶۲۹۔ بصائر الدرجات، ص ۳۶۴، حدیث ۱۰۔

[3] بصائر الدرجات، ص ۳۰۰، حدیث ۴۔ الاختصاص، ص ۲۸۰۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اگر پروردگار نے ہماری اطاعت واجب نہ کی ہوتی اور ہماری مودّت کا حکم نہ دیا ہوتا تو نہ ہم تم کو اپنے دروازہ پر کھڑا کرتے اور نہ گھر میں داخل ہونے دیتے۔ خدا گواہ ہے کہ ہم نہ اپنی خواہش سے بولتے ہیں اور نہ اپنے رائے سے فتویٰ دیتے ہیں۔ ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے پروردگار نے کہا ہے اور جس کے اصول ہمارے پاس ہیں اور ہم نے انہیں ذخیرہ بنا کر رکھا ہے جس طرح یہ اہل دنیا سونے چاندی کے ذخیرے رکھتے ہیں۔[1]

[12] مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ: قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ قَدْ اَنَالَ فِي النَّاسِ وَ اَنَالَ وَ اَنَالَ. يُشِيْرُ كَذَا وَكَذَا. وَ عِنْدَنَآ اَهْلَ الْبَيْتِ اُصُوْلُ الْعِلْمِ وَ عُرَاهُ، وَ ضِيَآؤُهٗ وَ اَوَاخِيْهِ۔

محمد بن مسلم کی روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو بہت کچھ عطا فرمایا ہے لیکن ہم اہلبیتؑ کے پاس تمام علوم کی اصل، ان کا سرا، ان کی روشنی اور ان کا وہ وسیلہ ہے جس سے علوم کو برباد ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔[2]

۳۔ کتب انبیاءؑ:

[13] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَلْوَاحُ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَنَا، وَ عَصَا مُوْسٰى عِنْدَنَا، وَ نَحْنُ وَرَثَةُ النَّبِيِّيْنَ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہمارے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تختیاں اور ان کا عصا موجود ہے اور ہم ہی تمام انبیاءؑ کے وارث ہیں۔[3]

[14] اَبُوْ بَصِيْرٍ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: قَالَ لِيْ: يَآ اَبَا مُحَمَّدٍ! اِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ لَمْ يُعْطِ الْاَنْبِيَآءَ شَيْئًا اِلَّا وَ قَدْ اَعْطَاهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ. قَالَ: وَ قَدْ اَعْطٰى مُحَمَّدًا جَمِيْعَ مَآ اَعْطَى الْاَنْبِيَآءَ، وَ عِنْدَنَا الصُّحُفُ الَّتِيْ قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى﴾[4]. قُلْتُ: جُعِلْتُ فِدَاكَ! هِيَ الْاَلْوَاحُ؟ قَالَ: نَعَمْ۔

---

[1] بصائر الدرجات، ص ۳۰۱، حدیث ۱۰۔

[2] الاختصاص، ص ۳۰۸۔ بصائر الدرجات، ص ۳۱۳، حدیث ۶۔

[3] الکافی، ج ۱، ص ۲۳۱، حدیث ۲۔ بصائر الدرجات، ص ۱۸۳، حدیث ۳۴۔ اعلام الوریٰ، ص ۲۷۷۔

[4] سورۂ اعلیٰ، آیت ۱۹۔

ابوبصیر کا بیان ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اے ابومحمد! پروردگار نے کسی نبی کو کوئی ایسی چیز نہیں دی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دی ہو، انہیں تمام انبیاءؑ کے کمالات سے سرفراز فرمایا ہے اور ہمارے پاس وہ سارے صحیفے موجود ہیں جنہیں پروردگار عالم نے (سورۂ اعلیٰ میں) ''صحف ابراہیمؑ و موسیٰؑ'' کہا ہے۔ میں نے عرض کی کیا یہ تختیاں ہیں؟ فرمایا بیشک۔[1]

[15] اَلْاِمَامُ الْکَاظِمُ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔ لِمَنْ سَئَلَهٗ: اَنّٰی لَکُمُ التَّوْرَاةُ وَ الْاِنْجِیْلُ وَ کُتُبُ الْاَنْبِیَآءِ؟ .: هِیَ عِنْدَنَا وِرَاثَةٌ مِّنْ عِنْدِهِمْ. نَقْرَؤُهَا کَمَا قَرَؤُوْهَا. وَ نَقُوْلُهَا کَمَا قَالُوْا. اِنَّ اللّٰهَ لَا یَجْعَلُ حُجَّةً فِیْ اَرْضِهٖ یُسْئَلُ عَنْ شَیْءٍ فَیَقُوْلُ: لَا اَدْرِیْ۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے جب سوال کیا گیا کہ آپؑ کا توریت و انجیل اور کتب انبیاءؑ سے کیا تعلق ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: وہ سب ہمارے پاس ان کی وراثت میں محفوظ ہیں اور ہم انہیں اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح ان انبیاءؑ نے پڑھا تھا، پروردگار کسی ایسے شخص کو زمین میں اپنی حجت نہیں قرار دے سکتا جس سے سوال کیا جائے تو وہ جواب میں کہہ دے کہ: ''مجھے نہیں معلوم ہے''۔[2]

[16] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عَلَیْهِ السَّلَامُ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ اُفْضِیَتْ اِلَیْهِ صُحُفُ اِبْرَاهِیْمَ وَ مُوْسٰی فَأْتَمَنَ عَلَیْهَا عَلِیًّا. ثُمَّ ائْتَمَنَ عَلَیْهَا عَلِیٌّ اِلْحَسَنَ. ثُمَّ ائْتَمَنَ عَلَیْهَا الْحَسَنُ الْحُسَیْنَ اَخَاهُ. وَ ائْتَمَنَ الْحُسَیْنُ عَلَیْهَا عَلِیَّ بْنَ الْحُسَیْنِ. ثُمَّ ائْتَمَنَ عَلَیْهَا عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِیٍّ. وَ ائْتَمَنَنِیْ عَلَیْهَا اَبِیْ فَکَانَتْ عِنْدِیْ. وَ قَدِ ائْتَمَنْتُ ابْنِیْ هٰذَا عَلَیْهَا عَلٰی حَدَاثَتِهٖ وَ هِیَ عِنْدَهٗ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک صحف ابراہیمؑ و موسیٰؑ پہنچائے گئے تو آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو ان کا امین بنادیا اور انہوں نے حضرت امام حسن علیہ السلام کو بنایا اور انہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو بنایا اور انہوں نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو بنایا اور انہوں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو بنایا اور انہوں نے مجھے بنایا۔ چنانچہ وہ سب میرے پاس رہے یہاں تک کہ میں نے اپنے اس فرزند کو کمسنی ہی میں امانتدار بنادیا اور وہ سب اس کے پاس محفوظ ہیں۔[3]

---

[1] الکافی، ج ۱، ص ۲۲۵، حدیث ۵۔ بصائر الدرجات، ص ۱۳۶، حدیث ۵۔

[2] الکافی، ج ۱، ص ۲۲۷، حدیث ۲۔

[3] الغیبۃ النعمانی، ص ۳۲۵، حدیث ۲۔ رجال کشی، ج ۲، ص ۶۴۳، حدیث ۶۶۳۔

[17] عَبْدُ اللهِ بْنُ سِنَانٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ سَئَلَهٗ عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ﴾[1] مَا الزَّبُوْرُ وَ مَا الذِّكْرُ؟ قَالَ: الذِّكْرُ عِنْدَ اللهِ، وَ الزَّبُوْرُ الَّذِیْ اُنْزِلَ عَلٰی دَاوٗدَ، وَ كُلُّ كِتَابٍ نَزَلَ فَهُوَ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ، وَ نَحْنُ هُمْ۔

عبداللہ بن سنان کا بیان ہے کہ: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیہ مجیدہ ﴿وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ﴾ کے بارے میں دریافت کیا کہ اس میں ''زبور'' اور ''ذکر'' سے کیا مراد ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: ''ذکر'' اللہ کے پاس ہے اور ''زبور'' وہ ہے جس کو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کیا گیا ہے اور ہر نازل ہونے والی کتاب، صاحبانِ علم کے پاس محفوظ ہے اور وہ صاحبانِ علم ہم ہیں۔[2]

۴۔ کتاب امام علیؑ:

[18] اُمُّ سَلَمَةَ: اَقْعَدَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ عَلِیًّا عَلَیْهِ السَّلَامُ فِیْ بَیْتِهٖ، ثُمَّ دَعَا بِجِلْدِ شَاةٍ، فَكَتَبَ فِیْهِ حَتّٰی اَكَارِعِهٖ۔

جناب اُمّ سلمہؓ نقل کرتی ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے گھر میں بٹھا کر ایک بکری کی کھال طلب کی اور حضرت علی علیہ السلام نے اس پر اوّل سے آخر تک لکھ لیا۔[3]

[19] اُمُّ سَلَمَةَ: دَعَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ بِاَدِیْمٍ وَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ عِنْدَهٗ، فَلَمْ یَزَلْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ یُمْلِیْ وَ عَلِیٌّ یَكْتُبُ حَتّٰی مَلَاَ بَطْنَ الْاَدِیْمِ وَ ظَهْرَهٗ وَ اَكَارِعَهٗ۔

جناب اُمّ سلمہؓ کا ارشاد ہے: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کھال طلب کر کے حضرت علی علیہ السلام کو دی اور حضرتؐ بولتے رہے اور علی علیہ السلام لکھتے رہے یہاں تک کہ کھال کا ظاہر و باطن، سب پُر ہو گیا۔[4]

[20] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عَلَیْهِ السَّلَامُ: دَعَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ عَلِیًّا عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ

---

[1] پوری آیہ مجیدہ یہ ہے: ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ﴾: ''اور ہم نے ذکر کے بعد زبور میں بھی لکھ دیا ہے کہ ہماری زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہی ہوں گے''۔ (سورۂ انبیاء، آیت ۱۰۵)

[2] الکافی، ج ۱، ص ۲۲۵، حدیث ۶۔ بصائر الدرجات، ص ۱۳۶، حدیث ۶۔

[3] الامامۃ والتبصرہ، ص ۱۷۴، حدیث ۲۸۔ مدینۃ المعاجز، ج ۲، ص ۲۴۸، حدیث ۵۲۹۔

[4] ادب الاملاء والاستملاء، سمعانی، ص ۱۲۔

دَعَا بِدَفتَرٍ. فَأَملیٰ عَلَیهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیهِمَا بَطنَهٗ.

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو طلب کیا اور ایک دفتر (رجسٹر) منگوایا اور پھر سب کچھ لکھوا دیا۔[1]

[21] اَلاِمَامُ الحَسَنُ عَلَیهِ السَّلَامُ: اِنَّ العِلمَ فِینَا، وَ نَحنُ اَهلُهٗ، وَ هُوَ عِندَنَا مَجمُوعٌ کُلُّهٗ بِحَذَافِیرِهٖ، وَ اِنَّهٗ لَا یَحدُثُ شَیْءٌ اِلیٰ یَومِ القِیٰمَةِ حَتّٰی اَرشُ الخَدشِ اِلَّا وَ هُوَ عِندَنَا مَکتُوبٌ بِاِملَاءِ رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَ اٰلِهٖ وَ خَطِّ عَلِیٍّ عَلَیهِ السَّلَامُ بِیَدِهٖ.

حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے: علم ہمارے گھر میں ہے اور ہم اس کے اہل ہیں اور وہ ہمارے پاس اوّل سے آخر تک سب موجود ہے اور قیامت تک کوئی ایسا حادثہ ہونے والا نہیں ہے جسے رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کے دست مبارک لکھوانہ دیا ہو یہاں تک کہ خراش لگانے کا تاوان بھی مذکور ہے۔[2]

[22] عَنهُ عَلَیهِ السَّلَامُ۔ اِنَّهٗ سُئِلَ عَن رَاْیِ اَبِیهِ فِی الخِیَارِ؛ مِن مَبَاحِثِ البُیُوعِ وَ المُعَامَلَاتِ۔: فَدَعَا بِرَبعَةٍ. فَاَخرَجَ مِنهَا صَحِیفَةً صَفرَاءَ مَکتُوبٌ فِیهَا قَولُ عَلِیٍّ فِی الخِیَارِ۔

امام حسن علیہ السلام سے جب تجارت کے معاملہ میں خیار کے ذیل میں حضرت علی علیہ السلام کی رائے دریافت کی گئی تو آپؑ نے ایک زرد رنگ کا صحیفہ نکالا جس میں اس مسئلہ میں حضرت علیؑ کی رائے کا ذکر تھا۔[3]

[23] اَلاِمَامُ البَاقِرُ عَلَیهِ السَّلَامُ: فِی کِتَابِ عَلِیٍّ عَلَیهِ السَّلَامُ کُلُّ شَیْءٍ یُحتَاجُ اِلَیهِ حَتّٰی الخَدشِ وَ الاَرشِ وَ الهَرشِ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: کتاب علیؑ میں ہر وہ شے موجود ہے جس کی کبھی ضرورت پڑسکتی ہے، یہاں تک کہ خراش کا تاوان اور ارش کا ذکر بھی موجود ہے۔[4]

[24] عَنهُ عَلَیهِ السَّلَامُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَ اٰلِهٖ لِاَمِیرِ المُؤمِنِینَ عَلَیهِ السَّلَامُ: اُکتُبْ مَا اُملِیْ عَلَیکَ. فَقَالَ: یَا نَبِیَّ اللهِ! اَ تَخَافُ عَلَیَّ النِّسیَانَ؟ قَالَ صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَ اٰلِهٖ:

---

[1] الاختصاص، ص ۲۷۵۔

[2] الاحتجاج، ج ۲، ص ۶۳، حدیث ۱۵۵۔

[3] العلل، ابن حنبل، ج ۱، ص ۳۴۶، حدیث ۶۳۹۔

[4] بصائر الدرجات، ص ۱۶۴، حدیث ۵۔

لَسْتُ اَخَافُ عَلَيْكَ النِّسْيَانَ. وَ قَدْ دَعَوْتُ اللهَ لَكَ اَنْ يُّحَفِّظَكَ وَ لَا يُنْسِيَكَ. وَ لٰكِنِ اكْتُبْ لِشُرَكَآئِكَ. قَالَ: قُلْتُ: وَ مَنْ شُرَكَآئِيْ يَا نَبِيَّ اللهِ؟ قَالَ: الْاَئِمَّةُ مِن وُلدِكَ. بِهِم تُسقى اُمَّتِي الغَيثَ. وبِهِم يُستَجابُ دُعَآؤُهُم. وَ بِهِمْ يَصْرِفُ اللهُ عَنْهُمُ الْبَلَآءَ. وَ بِهِمْ يُنْزِلُ الرَّحْمَةَ مِنَ السَّمَآءِ. وَ هٰذَا اَوَّلُهُم. وَ اَوْمَاَ بِيَدِهٖ اِلَى الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَام. ثُمَّ اَوْمَاَ بِيَدِهٖ اِلَى الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ. ثُمَّ قَالَ: الْاَئِمَّةُ مِنْ وُّلْدِهٖ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: جو کچھ میں بول رہا ہوں تم لکھتے جاؤ! حضرت علی علیہ السلام نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! کیا آپؐ کو میرے بھول جانے کا خطرہ ہے؟ فرمایا: تمہارے بارے میں نسیان کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں نے خدا سے دُعا کی ہے کہ تمہیں حافظہ عطا کرے اور نسیان سے محفوظ رکھے، لیکن پھر بھی تم لکھو تا کہ تمہارے ساتھیوں کے کام آئے۔ میں نے عرض کی: حضورؐ! یہ میرے ساتھی کون ہیں؟ فرمایا: تمہاری اولاد کے آئمہ طاہرین علیہم السلام جن کے ذریعہ سے میری امت پر بارش رحمت ہوگی اور ان کی دُعا قبول کی جائے گی اور بلاؤں کو دفع کیا جائے گا اور آسمان سے رحمت کا نزول ہوگا۔ ان میں اول یہ حسن علیہ السلام ہیں، اس کے بعد حسین علیہ السلام اور پھر ان کی اولاد کے آئمہ طاہرینؑ۔[1]

[25] عَذافِرُ الصَّيْرَفِيُّ: كُنْتُ مَعَ الْحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ عِنْدَ اَبِيْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ. فَجَعَلَ يَسئَلُهُ. وَ كَانَ اَبُوْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَهُ مُكْرِمًا. فَاخْتَلَفَا فِيْ شَيْءٍ. فَقَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا بُنَيَّ! قُمْ فَاَخْرِجْ كِتَابَ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ. فَاَخْرَجَ كِتَابًا مَّدْرُوْجًا عَظِيْمًا. فَفَتَحَهٗ وَ جَعَلَ يَنْظُرُ حَتّٰى اَخْرَجَ الْمَسئَلَةَ. فَقَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ: هٰذَا خَطُّ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ و اِمْلَآءُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ۔ وَ اَقْبَلَ عَلَى الْحَكَمِ وَ قَالَ: يَآ اَبَا مُحَمَّدٍ! اِذْهَبْ اَنْتَ وَ سَلَمَةُ وَ اَبُو الْمِقْدَامِ حَيْثُ شِئْتُمْ يَمِيْنًا وَّ شِمَالًا. فَوَ اللهِ! لَا تَجِدُوْنَ الْعِلْمَ اَوْثَقَ مِنْهُ عِنْدَ قَوْمٍ كَانَ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ جَبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

عذافر صیرفی کا بیان ہے: میں حکم بن عتیبہ کے ساتھ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا تو حکم نے حضرتؑ سے سوالات شروع کر دیئے۔ آپؑ ان کا احترام کیا کرتے تھے۔ ایک مسئلہ پر دونوں

---

[1] امالی شیخ صدوق، ص ۳۲۷، حدیث ۱۔ کمال الدین، ص ۲۰۶، حدیث ۲۱۔ بصائر الدرجات، ص ۱۶۷، حدیث ۲۲۔

میں اختلاف ہوگیا تو آپؑ نے اپنے فرزند سے فرمایا: ذرا کتاب علیؑ تو لے کر آؤ۔ وہ ایک لپٹی ہوئی عظیم کتاب لے آئے اور حضرتؑ اسے کھول کر پڑھنے لگے، یہاں تک کہ وہ مسئلہ نکال لیا اور فرمایا یہ حضرت علی علیہ السلام کی لکھائی ہے اور رسول اللہ کی املاء ہے۔ پھر حکم کی طرف رخ کر کے فرمایا: اے ابومحمد! تم یا سلمہ یا ابوالمقدام مشرق و مغرب میں جدھر چاہو چلے جاؤ، خدا کی قسم! اس قوم سے زیادہ محکم علم کہیں نہ پاؤ گے جن کے گھر میں جبریل امینؑ کا نزول ہوتا تھا۔[1]

[26] اَلْاِمَامُ الْبَاقِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: وَجَدْنَا فِيْ كِتَابِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ: اِذَا مُنِعَتِ الزَّكٰوةُ مَنَعَتِ الْاَرْضُ بَرَكَاتِهَا۔

حضرت امام باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے: ہم نے کتاب علیؑ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد دیکھا ہے کہ: جب لوگ زکوٰۃ روک لیں گے تو زمین بھی اپنی برکتوں کو روک لے گی۔[2]

[27] مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ: اَقْرَاَنِيْ اَبُوْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَحِيْفَةَ كِتَابِ الْفَرَآئِضِ الَّتِيْ هِيَ اِمْلَآءُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ و خَطُّ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِيَدِهٖ فَاِذَا فِيْهَا: اَنَّ السِّهَامَ لَا تَعُوْلُ۔

محمد بن مسلم کا بیان ہے: مجھے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے وہ صحیفہ پڑھوایا جس میں میراث کے مسائل درج تھے اور اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے املاء کیا تھا اور حضرت علی علیہ السلام نے لکھا تھا اور اس میں مرقوم تھا کہ: میراث کے حصے اصل مال سے زیادہ نہیں ہو سکتے ہیں۔[3]

[28] اَبُو الْجَارُوْدِ عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ لَمَّا حَضَرَهُ الَّذِيْ حَضَرَهُ، دَعَا ابْنَتَهُ الْكُبْرٰى فَاطِمَةَ بِنْتَ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَدَفَعَ اِلَيْهَا كِتَابًا مَلْفُوْفًا وَ وَصِيَّةً ظَاهِرَةً، وَ كَانَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ مَبْطُوْنًا مَعَهُمْ لَا يَرَوْنَ اِلَّا اَنَّهُ لِمَا بِهٖ. فَدَفَعَتْ فَاطِمَةُ الْكِتَابَ اِلٰى عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ. ثُمَّ صَارَ وَاللهِ! ذٰلِكَ الْكِتَابُ اِلَيْنَا يَا زِيَادُ. قُلْتُ: مَا فِيْ ذٰلِكَ الْكِتَابِ؟ جَعَلَنِيَ اللهُ فِدَاكَ! قَالَ: فِيْهِ

---

[1] رجال نجاشی، ج ۲، ص ۲۶۱، حدیث ۹۶۷۔

[2] الکافی، ج ۳، ص ۵۰۵، حدیث ۱۷۔

[3] تہذیب الاحکام، ج ۹، ص ۲۴۷، حدیث ۵۹۵۹۔

وَاللّٰهِ مَا يَحْتَاجُ اِلَيْهِ وُلْدُ اٰدَمَ مُنْذُ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ اِلٰى اَنْ تَفْنَى الدُّنْيَا. وَاللّٰهِ! اِنَّ فِيْهِ الْحُدُوْدَ، حَتّٰى اَنَّ فِيْهِ اَرْشَ الْخَدْشِ۔

ابوالجارود نے حضرت امام باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ: جب امام حسین علیہ السلام کا آخری وقت آیا تو آپؑ نے اپنی دختر جناب فاطمہؑ کو بلا کر ایک ملفوف کتاب اور ایک ظاہری وصیت عنایت کی۔ اس وقت حضرت امام زین العابدین علیہ السلام شدید بیماری کے عالم میں تھے۔ جناب فاطمہؑ نے بعد میں وہ چیزیں امام سجاد علیہ السلام کے حوالے کر دیں جو بعد میں ہمارے پاس آ گئیں۔ میں نے عرض کی: میں آپؑ پر قربان! آخر اس کتاب میں ہے کیا؟ فرمایا: ہر وہ شے جس کی اولاد آدمؑ کو ابتدائے خلقت سے فنائے دنیا تک ضرورت ہو سکتی ہے۔ خدا کی قسم اس میں تمام حدود، یہاں تک کہ خراش لگانے کا تاوان بھی لکھ دیا گیا ہے۔[1]

[29] يَعْقُوْبُ بْنُ مَيْثَمٍ التَّمَّارِ مَوْلٰى عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ: دَخَلْتُ عَلٰى اَبِيْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقُلْتُ لَهٗ: جُعِلْتُ فِدَاكَ، يَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ! اِنِّيْ وَجَدْتُّ فِيْ كُتُبِ اَبِيْ اَنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِاَبِيْ مَيْثَمٍ: ... اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ هُوَ يَقُوْلُ: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ۝﴾[2]. ثُمَّ الْتَفَتَ اِلَيَّ وَ قَالَ: هُمْ وَاللّٰهِ! اَنْتَ وَ شِيْعَتُكَ يَا عَلِيُّ! وَ مِيْعَادُكَ وَ مِيْعَادُهُمُ الْحَوْضُ غَدًا غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ مُكْتَحِلِيْنَ مُتَوَّجِيْنَ. فَقَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ: هٰكَذَا هُوَ عِيَانًا فِيْ كِتَابِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

یعقوب بن میثم التمار (غلام امام زین العابدین علیہ السلام) کا بیان ہے کہ: میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: فرزند رسولؐ! میں نے اپنے والد کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے میرے والد میثم سے فرمایا تھا: میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپؐ نے آیہ مجیدہ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ۝﴾ کی تلاوت کی اور میری طرف رخ کر کے فرمایا: یا علیؑ! یہ تم اور تمہارے شیعہ ہیں اور تم سب کا آخری موعد حوض کوثر ہے، جہاں سب روشن پیشانی کے ساتھ سرمۂ نور لگائے اور تاج کرامت سر پر سجائے حاضر ہوں

---

[1] الکافی، ج۱، ص ۳۰۳، حدیث ۱۔ بصائر الدرجات، ص ۴۸، حدیث ۹۔ الامامۃ والتبصرہ، ص ۱۹۷، حدیث ۵۱۔ آخر الذکر دونوں کتابوں میں وصیت ظاہر اور وصیت باطن کا ذکر ہے۔

[2] سورۂ بینہ، آیت ۷۔ ترجمہ: ''اور بے شک جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک اعمال کئے ہیں وہ بہترین خلائق ہیں''۔

گے۔اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا: بیشک کتاب علیؑ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔[1]

[30] اَلْاِمَامُ الصَّادِق عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّ عِنْدَنا مَا لَا نَحْتَاجُ مَعَهُ اِلَى النَّاسِ، وَ اِنَّ النَّاسَ لَيَحْتَاجُوْنَ اِلَيْنَا. وَ اِنَّ عِنْدَنا كِتَابًا اِمْلَآءُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ خَطُّ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ، صَحِيْفَةٌ فِيْهَا كُلُّ حَلَالٍ وَّ حَرَامٍ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: ہمارے پاس وہ علمی ذخیرہ ہے کہ ہم کسی کے محتاج نہیں ہیں اور تمام لوگ ہمارے محتاج ہیں۔ ہمارے پاس ایک کتاب ہے جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے املاء کیا ہے اور حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے لکھا ہے۔ یہ وہ صحیفہ ہے جس میں تمام حلال وحرام کا ذکر ہے۔[2]

[31] عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: دَفَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ اِلَى عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَحِيْفَةً مَخْتُوْمَةً بِاثْنَيْ عَشَرَ خَاتَمًا وَ قَالَ: فُضَّ الْاَوَّلَ وَ اعْمَلْ بِهٖ، وَ ادْفَعْهَا اِلَى الْحَسَنِ يَفُضَّ الثَّانِيَ وَ يَعْمَل بِهٖ، وَ يَدفَعُهَا اِلَى الْحُسَيْنِ يَفُضَّ الثَّالِثَ وَ يَعْمَل بِمَا فِيْهِ، ثُمَّ اِلَى وَاحِدٍ واحِدٍ مِّنْ وُّلْدِ الْحُسَيْنِ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو ایک صحیفہ دیا جس پر بارہ مہریں لگی ہوئی تھیں اور فرمایا کہ پہلی مہر کو توڑو اور اس پر عمل کرو پھر امام حسن علیہ السلام سے فرمایا کہ تم دوسری مہر کو توڑو اور اس پر عمل کرو، پھر امام حسین علیہ السلام سے فرمایا کہ تم تیسری مہر کو توڑو اور اس پر عمل کرو، پھر فرمایا کہ اولاد حسینؑ میں ہر ایک کا فرض ہے کہ ایک ایک مہر کو توڑے اور اس پر عمل کرے۔[3]

[32] مُعَلَّى بْنُ خُنَيْسٍ: كُنْتُ عِنْدَ اَبِيْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذْ اَقْبَلَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ فَسَلَّمَ ثُمَّ ذَهَبَ، فَرَقَّ لَهٗ اَبُوْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ دَمَعَتْ عَيْنَاهُ. فَقُلْتُ لَهٗ: لَقَدْ رَاَيْتُكَ صَنَعْتَ بِهٖ مَا لَمْ تَكُنْ تَصْنَعُ! قَالَ: رَقَقْتُ لَهٗ لِاَنَّهٗ يُنْسَبُ اِلى اَمْرٍ لَّيْسَ لَهٗ، لَمْ اَجِدْهُ فِيْ كِتَابِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ خُلَفَآءِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَ لَا مِنْ مُّلُوْكِهَا۔

معلیٰ بن خنیس کا بیان ہے: میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ محمد بن عبد

---

[1] امالی شیخ طوسی، ص ۴۰۵، حدیث ۹۰۹۔ تاویل الآیات الظاہرہ، ص ۸۰۱۔ البرہان، ج ۴، ص ۴۹۰، حدیث ۲۔

[2] الکافی، ج ۱، ص ۲۴۱، حدیث ۶۔

[3] الغیبۃ، النعمانی، ص ۵۴، حدیث ۴۔

اللہ آئے اور حضرتؑ کو سلام کر کے چلے گئے تو حضرتؑ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں نے عرض کی: حضورؑ! آج تو بالکل نئی بات دیکھ رہا ہوں؟ فرمایا: مجھ پر اس لئے رقّت طاری ہوئی کہ ان کو ایسے امر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جو ان کے نصیب میں نہیں ہے۔ میں نے کتاب علیؑ میں ان کا ذکر نہ خلفاء میں دیکھا ہے اور نہ بادشاہوں میں۔[1]

[33] عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ: سَئَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ جَنَآئِزِ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ اِذَا اجْتَمَعَتْ. فَقَالَ: يُقَدَّمُ الرِّجَالُ فِيْ كِتَابِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

عبدالرحمٰن بن ابی عبداللہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ اگر مرد و عورت دونوں کے جنازے جمع ہو جائیں تو کیا کرنا ہوگا؟ فرمایا کہ کتاب علیؑ میں یہ لکھا ہے کہ مرد کا جنازہ مقدم کیا جائے گا۔[2]

۵۔ مصحفِ فاطمہؑ:

[34] اَبُوْ بَصِيْرٍ عَنِ الْاِمَامِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّ عِنْدَنَا لَمُصْحَفَ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ. وَ مَا يُدْرِيْهِمْ مَا مُصْحَفُ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَام؟! قُلْتُ: وَ مَا مُصْحَفُ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَام؟ قَالَ: مُصْحَفٌ فِيْهِ مِثْلُ قُرْاٰنِكُم هٰذَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. وَاللّٰهِ! مَا فِيْهِ مِنْ قُرْاٰنِكُمْ حَرْفٌ وَّاحِدٌ۔

ابوبصیر نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ہمارے پاس مصحفِ فاطمہؑ ہے اور تم کیا جانو کہ وہ کیا ہے؟ میں نے عرض کی: حضورؑ! یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ: یہ ایک صحیفہ ہے جو حجم میں اس قرآن کے تین گنا ہے اور اس میں قرآن کا ایک حرف بھی شامل نہیں ہے۔[3]

[35] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مُصْحَفُ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ مَا فِيْهِ شَيْءٌ مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ. وَ اِنَّمَا هُوَ شَيْءٌ اُلْقِيَ عَلَيْهَا بَعْدَ مَوْتِ اَبِيْهَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِمَا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: مصحفِ فاطمہؑ وہ ہے جس میں اس کتاب خدا کی کوئی شے

---

[1] الکافی، ج ۸، ص ۳۹۵ حدیث ۵۹۴۔ بصائر الدرجات، ص ۱۶۸، حدیث ۱۔

[2] الکافی، ج ۳، ص ۱۷۵، حدیث ۶۔ الاستبصار، ج ۱، ص ۴۷۲، حدیث ۱۸۲۶۔

[3] الکافی، ج ۱، ص ۲۳۹، حدیث ۱۔ بصائر الدرجات، ص ۱۵۲، حدیث ۳۔ تاویل الآیات الظاہرۃ، ج ۱، ص ۱۰۲، ح ۶۔

نہیں ہے، بلکہ یہ ایک صحیفہ ہے جس میں وہ الہامات الٰہیہ ہیں جو بعد وفات پیغمبرؐ جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کو عنایت کئے گئے تھے۔[1]

[36] عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۔ لِوَلِيْدِ بْنِ صَبِيْحٍ ۔: يَا وَلِيْدُ! اِنِّیْ نَظَرْتُ فِیْ مُصْحَفِ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ فَلَمْ اَجِدْ لِبَنِیْ فُلَانٍ فِيْهِ اِلَّا كَغُبَارِ النَّعْلِ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ولید بن صبیح سے فرمایا: ولید! میں نے مصحفِ فاطمہؑ کو دیکھا ہے۔ اس میں فلاں کی اولاد کیلئے جوتیوں کی گرد سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔[2]

[37] حَمَّادُ بْنُ عُثْمَانَ: سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ : تَظْهَرُ الزَّنَادِقَةُ فِیْ سَنَةِ ثَمَانٍ وَّ عِشْرِيْنَ وَ مِائَةٍ. وَ ذٰلِكَ اِنِّیْ نَظَرْتُ فِیْ مُصْحَفِ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَام. قُلْتُ: وَ مَا مُصْحَفُ فَاطِمَةَ؟ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَمَّا قَبَضَ نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ دَخَلَ عَلٰی فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ مِنْ وَّفَاتِهٖ مِنَ الْحُزْنِ مَا لَا يَعْلَمُهٗ اِلَّا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ. فَاَرْسَلَ اللّٰهُ اِلَيْهَا مَلَكًا يُسَلِّیْ غَمَّهَا وَ يُحَدِّثُهَا. فَشَكَتْ ذٰلِكَ اِلٰی اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ: اِذَا اَحْسَسْتِ بِذٰلِكَ وَ سَمِعْتِ الصَّوْتَ قُوْلِیْ لِیْ. فَاَعْلَمَتْهُ بِذٰلِكَ فَجَعَلَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكْتُبُ كُلَّ مَا سَمِعَ حَتّٰی اَثْبَتَ مِنْ ذٰلِكَ مُصْحَفًا. ثُمَّ قَالَ: اَمَا اِنَّهٗ لَيْسَ فِيْهِ شَیْءٌ مِّنَ الْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ. وَ لٰكِنْ فِيْهِ عِلْمُ مَا يَكُوْنُ۔

حماد بن عثمان کا بیان ہے: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا ہے کہ ۱۲۸ھ میں زندیقوں کا دور دورہ ہوگا اور یہ بات میں نے مصحفِ فاطمہؑ میں دیکھی ہے۔ میں نے عرض کی: حضورؑ! یہ مصحفِ فاطمہؑ کیا ہے؟ فرمایا کہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا بے حد محزون و مغموم تھیں اور اس غم کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جان سکتا تھا تو پروردگار عالم نے ایک فرشتے کو ان کی تسلی اور تسکین کیلئے بھیج دیا جو ان سے باتیں کرتا تھا۔ بی بیؑ نے اس امر کا ذکر امیر المومنین علی علیہ السلام سے کیا تو آپؑ نے فرمایا کہ: اب جب کوئی آئے اور اس کی آواز سنائی دے تو مجھے مطلع کرنا۔ چنانچہ جب وہ فرشتہ آتا تو میں نے حضرتؑ کو مطلع کر دیتی اور آپؑ وہ تمام باتیں لکھ کر محفوظ کر لیتے جس پر ایک صحیفہ تیار

---

[1] بصائر الدرجات، ص ۱۵۹، حدیث ۲۷۔

[2] بصائر الدرجات، ص ۱۶۱، حدیث ۳۲۔

ہوگیا۔ پھر فرمایا: اس میں حلال وحرام کے مسائل نہیں ہیں بلکہ قیامت تک کے حالات کا ذکر ہے۔[1]

۶۔ جامعہ:

[38] اَبُوْ بَصِيْرٍ عَنِ الْاِمَامِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا اَبَا مُحَمَّدٍ! وَاِنَّ عِنْدَنَا الْجَامِعَةَ. وَمَا يُدْرِيْهِمْ مَا الْجَامِعَةُ؟ قُلْتُ: جُعِلْتُ فِدَاكَ! وَ مَا الْجَامِعَةُ؟ قَالَ: صَحِيْفَةٌ طُوْلُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا بِذِرَاعِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ اِمْلَآئِهٖ مِنْ فَلْقِ فِيْهِ وَ خَطِّ عَلِيٍّ بِيَمِيْنِهٖ. فِيْهَا كُلُّ حَلَالٍ وَ حَرَامٍ. وَكُلُّ شَيْءٍ يَحْتَاجُ النَّاسُ اِلَيْهِ حَتَّى الْاَرْشِ فِي الْخَدْشِ. وَ ضَرَبَ بِيَدِهٖ اِلَيَّ فَقَالَ: تَاْذَنُ لِيْ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ؟ قُلْتُ: جُعِلْتُ فِدَاكَ! اِنَّمَا اَنَا لَكَ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ. فَغَمَزَنِيْ بِيَدِهٖ وَقَالَ: حَتَّى اَرْشِ هٰذَا. كَاَنَّهٗ مُغْضَبٌ. قُلْتُ: هٰذَا وَاللهِ! الْعِلْمُ. قَالَ: اِنَّهٗ لَعِلْمٌ وَلَيْسَ بِذَاكَ۔

ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: اے ابومحمد! ہمارے پاس ''جامعہ'' ہے اور تم کیا جانو کہ یہ ''جامعہ'' کیا ہے؟ میں نے عرض کی حضور بتادیں کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ: ایک صحیفہ ہے جس کا طول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں سے ستر ہاتھ ہے اور اس میں وہ سب کچھ ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اور حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ اس میں تمام حلال و حرام اور مسائل انسانیہ کا ذکر ہے۔ یہاں تک کہ خراش کا تاوان تک درج ہے۔ اس کے بعد آپؑ نے ہاتھ مار کر مجھ سے فرمایا: کیا میں اور بھی بیان کروں؟ میں نے عرض کی: مولا! یہ جان آپؑ پر قربان! آپؑ جو چاہیں فرمائیں۔ تو حضرتؑ نے میرا ہاتھ دبایا اور فرمایا کہ: اس عمل کا تاوان بھی اس کے اندر موجود ہے۔ میں نے عرض کی حضور! یہ تو واقعی علم ہے! فرمایا: بیشک یہ علم ہے لیکن یہ وہ علم نہیں ہے؟۔[2]

[39] اَبُوْ عُبَيْدَةَ: سَئَلَ اَبَا عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْضُ اَصْحَابِنَا عَنِ الْجَفْرِ. فَقَالَ: هُوَ جِلْدُ ثَوْرٍ مَمْلُوْءٌ عِلْمًا. قَالَ لَهٗ: فَالْجَامِعَةُ؟ قَالَ: تِلْكَ صَحِيْفَةٌ طُوْلُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فِيْ عَرْضِ الْاَدِيْمِ مِثْلِ فَخِذِ الْفَالِجِ. فِيْهَا كُلُّ مَا يَحْتَاجُ النَّاسُ اِلَيْهِ. وَلَيْسَ مِنْ قَضِيَّةٍ اِلَّا وَ هِيَ فِيْهَا. حَتَّى اَرْشِ الْخَدْشِ۔

---

[1] الکافی، ج۱، ص ۲۴۰، حدیث ۲۔ بصائر الدرجات، ص ۱۵۷، حدیث ۱۸۔ بحار الانوار، ج ۲۶، باب جہالت علوم ائمہ و کتب ائمہؑ۔ روضۃ الواعظین، ص ۲۳۲۔

[2] الکافی، ج۱، ص ۲۳۹، حدیث ۱۔ بصائر الدرجات، ص ۱۴۳، حدیث ۴۔

ابوعبیدہ کا بیان ہے: ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے علم جفر کے بارے میں سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: یہ ایک بیل کی کھال ہے جس میں سارا علم بھرا ہوا ہے۔ راوی نے عرض کی: اور جامعہ؟ فرمایا: یہ ایک صحیفہ ہے جس کا طول ستر ہاتھ ہے، یہ کھال پر لکھا گیا ہے اور اس میں لوگوں کے تمام مسائل حیات کا حل موجود ہے، یہاں تک کہ خراش بدن کا تاوان تک لکھا ہوا ہے۔[1]

[40] اَلْاِمَامُ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: ضَلَّ عِلْمُ ابْنِ شُبْرُمَةَ عِنْدَ الْجَامِعَةِ. اِمْلَآءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ خَطِّ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِيَدِهٖ. اِنَّ الْجَامِعَةَ لَمْ تَدَعْ لِاَحَدٍ كَلَامًا. فِيْهَا عِلْمُ الْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد پاک ہے: جامعہ تک آ کے ابن شبرمہ کا علم بھٹک گیا۔ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی املاء ہے اور امیر المومنین علی علیہ السلام کی تحریر۔ جامعہ نے کسی شخص کیلئے مجالِ سخن نہیں چھوڑی ہے اور اس میں تمام حلال وحرام (کا بیان) موجود ہے۔[2]

مؤلف کہتے ہیں: مذکورہ روایات میں جامعہ کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں، یہی کتابِ علیؑ کے بھی ہیں، لہٰذا عین ممکن ہے کہ ''جامعہ''، کتاب علیؑ ہی کا دوسرا نام ہو۔ (واللہ العالم)۔

۷۔ علم جفر:

[41] اَبُوْ بَصِيْرٍ. عَنِ الْاِمَامِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّ عِنْدَنَا الْجَفْرَ. وَ مَا يُدْرِيْهِمْ مَا الْجَفْرُ؟ قُلْتُ: وَ مَا الْجَفْرُ؟ قَالَ: وِعَآءٌ مِنْ اَدَمٍ فِيْهِ عِلْمُ النَّبِيِّيْنَ وَ الْوَصِيِّيْنَ. وَ عِلْمُ الْعُلَمَآءِ الَّذِيْنَ مَضَوْا مِنْ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ. قُلْتُ: اِنَّ هٰذَا هُوَ الْعِلْمُ. قَالَ: اِنَّهٗ لَعِلْمٌ وَّ لَيْسَ بِذَاكَ۔

ابوبصیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہمارے پاس ''جفر'' ہے اور لوگ کیا جانیں کہ ''جفر'' کیا ہے؟ میں نے عرض کی حضورؑ! ارشاد فرمائیں تو فرمایا: یہ ایک چمڑے کا کھالوں کا ایک مجموعہ ہے جس میں تمام انبیاء واوصیاء علیہم السلام کے علوم ہیں اور بنی اسرائیل کے علماء کا علم بھی ہے؟۔ میں نے عرض کی حضورؑ! یہ تو واقعی علم ہے۔ فرمایا: بیشک لیکن یہ وہ علم نہیں ہے جو ہمارے پاس ہے۔[3]

---

[1] الکافی، ج۱، ص۲۴۱، حدیث ۵۔ بصائر الدرجات، ص ۱۵۳، حدیث ۶۔

[2] الکافی، ج۱، ص۵۷، حدیث ۱۴۔ بصائر الدرجات، ص۱۴۶، حدیث ۲۳۔

[3] الکافی، ج۱، ص۲۳۹، حدیث ۱۔

[42] اَلْحُسَیْنُ بْنُ اَبِی الْعَلَآءِ: سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ یَقُوْلُ: اِنَّ عِنْدِیَ الْجَفْرَ الْاَبْیَضَ. قُلْتُ: فَاَیُّ شَیْءٍ فِیْهِ؟ قَالَ: زَبُوْرُ دَاوٗدَ وَ تَوْرَاةُ مُوْسٰی و اِنْجِیْلُ عِیْسٰی وَ صُحُفُ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ. وَ الْحَلَالُ وَ الْحَرَامُ. وَ مُصْحَفُ فَاطِمَةَ. مَا اَزْعُمُ اِنَّ فِیْهِ قُرْاٰنًا. وَ فِیْهِ مَا یَحْتَاجُ النَّاسُ اِلَیْنَا وَ لَا نَحْتَاجُ اِلٰی اَحَدٍ. حَتّٰی فِیْهِ الْجَلْدَةُ وَ نِصْفُ الْجَلْدَةِ وَ رُبْعُ الْجَلْدَةِ وَ اَرْشُ الْخَدْشِ۔

حسین بن ابی العلاء کہتے ہیں: میں نے حضرت امام صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ہمارے پاس جفر ابیض ہے۔ میں نے عرض کی: مولا! اس میں کیا ہے؟ فرمایا: زبور داوٗدؑ، توریت موسیٰؑ، انجیل عیسیٰؑ، صحف ابراہیمؑ، جملہ حلال وحرام اور مصحف فاطمہؑ اور میرا نہیں خیال کہ اس میں قرآن مجید کا کوئی حصہ موجود ہو۔ اس میں لوگوں کے ان تمام مسائل کا ذکر ہے جن میں لوگ ہمارے محتاج ہیں اور ہم کسی کے محتاج نہیں ہیں۔ اس میں ایک، نصف اور چوتھائی کوڑے حتیٰ کہ خراش کی سزا تک کا ذکر ہے۔[1]

[43] اَلْاِمَامُ الرِّضَا عَلَیْهِ السَّلَامُ. فِیْ بَیَانِ عَلَامَاتِ الْاِمَامِ. : یَکُوْنُ عِنْدَهُ الْجَفْرُ الْاَکْبَرُ وَ الْاَصْغَرُ. اِهَابُ مَاعِزٍ وَّ اِهَابُ کَبْشٍ. فِیْهِمَا جَمِیْعُ الْعُلُوْمِ حَتّٰی اَرْشُ الْخَدْشِ. وَ حَتَّی الْجَلْدَةِ وَ نِصْفِ الْجَلْدَةِ وَ ثُلُثِ الْجَلْدَةِ. وَ یَکُوْنُ عِنْدَهُ مُصْحَفُ فَاطِمَةَ عَلَیْهَا السَّلَامُ۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے علامات امام کے ذیل میں فرمایا: ''امام'' کے پاس جفر اکبر واصغر ہوتا ہے جو بکری اور بھیڑ کی کھال پر ہے اور اس میں کائنات کے تمام علوم یہاں تک کہ خراش کے تاوان تک کا ذکر ہے اور ایک، نصف اور چوتھائی کوڑے کا بھی ذکر ہے اور امام کے پاس مصحف فاطمہ بھی ہوتا ہے۔[2]

علمِ جفر کی حقیقت

علم جعفر کی حقیقت اور اس کے مفہوم کے بارے میں علمائے اعلام میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے اور ہر شخص نے ایک اپنے انداز سے اس کی تشریح وتفسیر کی ہے جس کی تفصیلات کی یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس بارے میں روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ ''علم جفر'' اوصیائے پیغمبر اسلامؐ کے علوم کے سرچشموں میں شمار ہوتا ہے اور اس سے مراد وہ صندوق ہے جس میں تمام سابق انبیاءؑ کے صحیفے، رسول اکرمؐ!

---

[1] الکافی، ج ۱، ص ۲۴۰، حدیث ۳۔ بصائر الدرجات، ص ۱۵۰، حدیث ۱۔

[2] من لایحضرہ الفقیہ، ج ۴، ص ۴۱۹، حدیث ۵۹۱۴۔

امیر المومنین، جناب فاطمہؑ کے کتب و رسائل اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہتھیار موجود ہیں۔ اس کو ''جفر ابیض'' اور ''جفر احمر''[1] بھی کہا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ ایک کتب خانہ اور خزانہ ہے جو اہلبیت علیہم السلام سے مخصوص ہے اور انہی کو یکے بعد دیگرے وراثت میں ملتا ہے۔ آج امام زمانہ علیہ السلام کے پاس محفوظ ہے۔

۸۔ الہام:

[44] اَلْاِمَامُ الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اخْتَارَهُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ لِاُمُوْرِ عِبَادِهٖ شَرَحَ لِذٰلِكَ صَدْرَهُ، وَ اَوْدَعَ قَلْبَهُ يَنَابِيْعَ الْحِكْمَةِ، وَ اَلْهَمَهُ الْعِلْمَ اِلْهَامًا، فَلَمْ يَعْيَ بَعْدَهُ بِجَوَابٍ، وَ لَا يَحِيْرُ فِيْهِ عَنِ الصَّوَابِ، فَهُوَ مَعْصُوْمٌ مُؤَيَّدٌ، مُوَفَّقٌ مُسَدَّدٌ، قَدْ اَمِنَ الْخَطَايَا وَ الزَّلَلَ وَ الْعِثَارَ، يَخُصُّهُ اللهُ بِذٰلِكَ لِيَكُوْنَ حُجَّتَهُ عَلٰى عِبَادِهٖ، وَ شَاهِدَهُ عَلٰى خَلْقِهٖ، وَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللهُ ذُوْ الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: پروردگار جب امور بندگان خدا کیلئے کسی بندے کا انتخاب کرتا ہے تو اس کے سینہ کو کشادہ کر دیتا ہے، اس کے دل میں حکمت کے چشمے جاری کر دیتا ہے اور اسے ایک الہام عطا فرماتا ہے، جس کے بعد وہ کسی بھی سوال کے جواب سے عاجز اور کسی امر صواب کے بارے میں حیرت و سرگردانی میں مبتلا نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں وہ معصوم ہوتا ہے جس کی تائید، تسدید اور توفیق پروردگار کی طرف سے ہوتی ہے اور اس کے نتیجہ میں وہ ہر خطا، لغزش اور غلطی سے محفوظ رہتا ہے اور پروردگار اسے اس لئے ان خصوصیات سے نوازتا ہے تا کہ وہ بندوں پر اس کی حجت اور مخلوق پر اس کا شاہد قرار پا سکے۔ بلاشبہ یہ اللہ کا وہ فضل ہے جس سے وہ اپنے خاص بندوں کو نوازتا ہے اور اللہ عظیم فضل والا ہے۔[2]

[45] اَلْحَارِثُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ عَنِ الْاِمَامِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ. قُلْتُ: اَخْبِرْنِيْ عَنْ عِلْمِ عَالِمِكُمْ. قَالَ: وِرَاثَةٌ مِّنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ مِنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ. قُلْتُ: اِنَّا نَتَحَدَّثُ اِنَّهٗ يُقْذَفُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ يُنْكَتُ فِيْ اٰذَانِكُمْ! قَالَ: اَوْ ذَاكَ۔

حارث بن مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: (مولا!) کچھ اپنے علم کے بارے میں ارشاد فرمائیں۔ آپؑ نے فرمایا: یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور

---

[1] الکافی، ج ۱، ص ۲۴۰، حدیث ۳۔ بحار الانوار، ج ۲۶، ص ۱۸، حدیث ۱، ج ۲۶، ص ۳۷، حدیث ۶۸۔

[2] الکافی، ج ۱، ص ۲۰۲، حدیث ۱۔ عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۲۲۱، حدیث ۱۔ معانی الاخبار، ص ۱۰۱، حدیث ۲۔

امیر المومنین علی علیہ السلام کی وراثت ہے۔ میں نے عرض کی: ہمارے یہاں چرچا ہے کہ آپؑ کے دلوں پر الہام ہوتا ہے اور آپؑ کے کانوں میں یہ بات ڈال دی جاتی ہے؟ فرمایا اور یہ بھی ہے۔[1]

[46] اَلْحَارِثُ النَّصْرِیُّ: قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ: اَلَّذِیْ یُسْئَلُ عَنْهُ الْاِمَامُ وَ لَیْسَ عِنْدَهٗ فِیْهِ شَیْءٌ. مِنْ اَیْنَ یَعْلَمُهٗ؟ قَالَ: یُنْکَتُ فِی الْقَلْبِ نَکْتًا. اَوْ یُنْقَرُ فِی الْاُذُنِ نَقْرًا۔

حارث نصری کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی: اگر امامؑ کوئی سوال کیا جائے جس کا جواب ان کے ذہن میں نہ ہو تو وہ اس کا علم کہاں سے لائے گا؟ فرمایا: پروردگار اس کے دل میں ڈال دیتا ہے یا اس کے کانوں میں آواز غیب آنے لگتی ہے۔[2]

[47] اَبُوْ بَصِیْرٍ عَنِ الْاِمَامِ الصَّادِقِ عَلَیْهِ السَّلَامُ: کَانَ عَلِیٌّ مُحَدَّثًا وَ کَانَ سَلْمَانُ مُحَدَّثًا. قُلْتُ: فَمَا اٰیَةُ الْمُحَدَّثِ؟ قَالَ: یَاْتِیْهِ مَلَکٌ. فَیَنْکُتُ فِیْ قَلْبِهٖ کَیْتَ وَ کَیْتَ۔

ابوبصیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: حضرت علی علیہ السلام محدّث تھے اور سلمانؓ بھی محدث تھے (جن سے ملائکہ باتیں کرتے تھے)۔ میں نے عرض کی کہ محدث کی علامت کیا ہے؟ فرمایا: اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے جو اس کے دل پر ساری چیزیں القاء کر دیتا ہے۔[3]

[48] بُرَیْدٌ الْعِجْلِیُّ: سَئَلْتُ اَبَا جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَنِ الرَّسُوْلِ وَ النَّبِیِّ وَ الْمُحَدَّثِ. قَالَ: اَلرَّسُوْلُ الَّذِیْ تَاْتِیْهِ الْمَلٰٓئِکَةُ وَ یُعَایِنُهُمْ وَ تُبَلِّغُهٗ عَنِ اللهِ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی. وَ النَّبِیُّ الَّذِیْ یَرٰی فِیْ مَنَامِهٖ. فَمَا رَاٰی فَهُوَ کَمَا رَاٰی. وَ الْمُحَدَّثُ الَّذِیْ یَسْمَعُ الْکَلَامَ ـ کَلَامَ الْمَلٰٓئِکَةِ ـ وَ یُنْقَرُ فِیْ اُذُنَیْهِ وَ یُنْکَتُ فِیْ قَلْبِهٖ۔

برید عجلی کہتے ہیں: میں نے امام صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ رسول و نبی اور محدث کا فرق کیا ہے؟ فرمایا: رسول وہ ہے جس کے پاس ملائکہ آتے ہیں تو وہ انہیں دیکھتا ہے اور وہ اس کے پاس پیغام الٰہی لے کر آتے ہیں، اور نبی وہ ہے جو خواب میں دیکھتا ہے اور اس کا خواب بھی بالکل حقیقت ہوتا ہے۔ محدث اسے کہا جاتا ہے جو صرف ملائکہ کا کلام سنتا ہے اور علم اس کے دل یا کان میں ڈال دیا جاتا ہے۔[4]

---

[1] الکافی، ج ۱، ص ۲۶۴، حدیث ۲۔ بصائر الدرجات، ص ۳۲۷، حدیث ۵۔

[2] امالی شیخ طوسی، ص ۴۰۸، حدیث ۹۱۶۔ بصائر الدرجات، ص ۳۱۶، حدیث ۱۔

[3] امالی شیخ طوسی، ص ۴۰۷، حدیث ۹۱۴۔ رجال کشی، ج ۱، ص ۶۴، حدیث ۳۶۔ الخرائج والجرائح، ج ۲، ص ۸۳۰، حدیث ۴۶۔

[4] الاختصاص، ص ۳۲۸۔ الخرائج والجرائح، ج ۲، ص ۸۲۳، حدیث ۴۷۔ تاویل الآیات الظاہرہ، ص ۳۴۲۔

[49] اَلْحَارِثُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ: قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَا عِلْمُ عَالِمِكُمْ. اَجُمْلَةٌ يُقْذَفُ فِیْ قَلْبِهٖ اَوْ يُنْكَتُ فِیْ اُذُنِهٖ؟ فَقَالَ: وَحْیٌ كَوَحْیِ اُمِّ مُوْسٰی۔

حارث بن مغیرہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ آپؑ کے عالم کے علم کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ فرمایا: اس کے دل پر الہام ہوتا ہے اور کانوں میں آواز غیب آتی ہے؟ جس طرح مادر موسیٰ کی طرف وحی کی گئی تھی۔[1]

[50] اَلْاِمَامُ الْكَاظِمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَبْلَغُ عِلْمِنَا عَلٰی ثَلَاثَةِ وُجُوْهٍ: مَاضٍ وَّ غَابِرٍ وَّ حَادِثٍ. فَاَمَّا الْمَاضِیْ فَمُفَسَّرٌ. وَ اَمَّا الْغَابِرُ فَمَزْبُوْرٌ. وَ اَمَّا الْحَادِثُ فَقَذْفٌ فِی الْقُلُوْبِ. وَ نَقْرٌ فِی الْاَسْمَاعِ. وَ هُوَ اَفْضَلُ عِلْمِنَا. وَ لَا نَبِیَّ بَعْدَ نَبِيِّنَا۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں: ہمارے علوم کی بنیادیں تین طرح کی ہیں: ماضی، غابر، اور حادث۔ ماضی وہ ہے جس کی تفسیر کی گئی ہے غابر وہ ہے جسے درج کر دیا گیا ہے اور حادث وہ ہے جو برا بر دل پر الہام یا کانوں میں آواز کی شکل میں آتا ہے اور یہی ہمارا واقعی علم ہے لیکن ہمارے نبی کے بعد کوئی دوسرا پیغمبر نہیں ہے۔[2]

[51] اَلْمُفَضَّلُ بْنُ عُمَرَ: قُلْتُ لِاَبِی الْحَسَنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: رُوِيْنَا عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّهٗ قَالَ: اِنَّ عِلْمَنَا غَابِرٌ وَّ مَزْبُوْرٌ وَّ نَكْتٌ فِی الْقُلُوْبِ وَ نَقْرٌ فِی الْاَسْمَاعِ. فَقَالَ: اَمَّا الْغَابِرُ فَمَا تَقَدَّمَ مِنْ عِلْمِنَا. وَ اَمَّا الْمَزْبُوْرُ فَمَا يَاْتِيْنَا. وَ اَمَّا النَّكْتُ فِی الْقُلُوْبِ فَاِلْهَامٌ. وَ اَمَّا النَّقْرُ فِی الْاَسْمَاعِ فَاَمْرُ الْمَلَكِ۔

مفضل بن عمر کہتے ہیں: میں نے امام رضا علیہ السلام سے عرض کی کہ امام صادق علیہ السلام کے اس فرمان: ''ہمارا علم یا ماضی سے مربوط ہے، یا تحریر شدہ ہے، یا ''نکت فی القلوب'' (دل کا الہام) ہے یا ''نقر فی الاسماع'' (کانوں میں سنائی دی جانے والی آواز) ہے'' کا مفہوم کیا ہے؟ فرمایا: غابر ہمارا گزشتہ علم ہے، مزبور آنے والا ہے، ''نکت فی القلوب'' الہام ہے اور ''نقر فی الاسماع'' فرشتے کی آواز ہے۔[3]

(جاری ہے)

*****

---

[1] الاختصاص، ص ۲۸۶۔ بصائر الدرجات، ص ۳۱۷، حدیث ۱۰۔

[2] الکافی، ج ۱، ص ۲۶۴، حدیث ۱، ج ۸، ص ۱۲۵، حدیث ۹۵۔ دلائل الامامہ، ص ۵۲۴، حدیث ۴۲۵۔

[3] الکافی، ج ۱، ص ۲۶۴، حدیث ۳۔ بصائر الدرجات، ص ۳۱۸، حدیث ۲۔

قسط:21

شرحِ چہل حدیث

آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ

چودھویں حدیث:

بِسَنَدِیَ الْمُتَّصِلِ اِلٰی مُحَمَّدِ بْنِ یَعْقُوْبَ ثِقَةِ الْاِسْلَامِ وَ عِمَادِ الْمُسْلِمِیْنَ، عَنْ عِدَّةٍ مِّنْ اَصْحَابِنَا، عَنْ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَلِیِّ بْنِ حَدِیْدٍ، عَنْ مَنْصُوْرِ بْنِ یُوْنُسَ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ الْمُغِیْرَةِ اَوْ اَبِیْهِ، عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ: قُلْتُ لَهٗ: مَا کَانَ فِیْ وَصِیَّةِ لُقْمَانَ؟ قَالَ:

کَانَ فِیْهَا الْاَعَاجِیْبُ. وَکَانَ اَعْجَبَ مَا کَانَ فِیْهَا اَنْ قَالَ لِابْنِهٖ: خَفِ اللهَ عَزَّوَجَلَّ خِیْفَةً لَّوْ جِئْتَهٗ بِبِرِّ الثَّقَلَیْنِ لَعَذَّبَکَ، وَارْجُ اللهَ رَجَآءً لَّوْ جِئْتَهٗ بِذُنُوْبِ الثَّقَلَیْنِ لَرَحِمَکَ۔

ثُمَّ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ:

کَانَ اَبِیْ یَقُوْلُ: اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ اِلَّا [وَ] فِیْ قَلْبِهٖ نُوْرَانِ: نُوْرُ خِیْفَةٍ وَّ نُوْرُ رَجَآءٍ، لَوْ وُزِنَ هٰذَا لَمْ یَزِدْ عَلٰی هٰذَا وَلَوْ وُزِنَ هٰذَا لَمْ یَزِدْ عَلٰی هٰذَا۔

راوی کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: (مولا!) حضرت لقمان علیہ السلام کی وصیت کیا تھی؟ تو حضرتؑ نے فرمایا:

اس میں بہت ہی حیرت انگیز باتیں تھیں اور اس میں سب سے عجیب بات یہ تھی کہ جناب لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا: (بیٹا) خدا سے اس طرح ڈرو کہ اگر تم تمام جن وانس کے برابر بھی نیکیاں کر کے اس کی بارگاہ میں آؤ، تب بھی وہ تمہیں عذاب میں ڈال دے گا اور اللہ سے

ایسی امید رکھو کہ اگر جن وانس کے برابر گناہ کر کے آؤ تب بھی وہ تمہیں بخش دے گا۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا: میرے والد ماجد (حضرت امام محمد باقر علیہ السلام) فرمایا کرتے تھے: ''ہر بندۂ مومن کے دل میں دو نور ہوتے ہیں: ''خوف'' کا نور اور ''امید'' کا نور۔ اگر وہ اِس (خوف) کو اُس (امید) کے ساتھ تولے تو پہلا دوسرے پر بھاری نہ پڑے اور اگر اِس (امید) کو اُس (خوف) کے ساتھ تولے تو ایک کا وزن دوسرے سے زیادہ نہ ہو''۔[1]

شرح:

جوہری[2] نے اپنی صحاح میں لکھا ہے کہ: گویا ''اعاجیب، اعجوبہ'' کی جمع ہے، جیسے ''احادیث، احدوثہ'' کی جمع ہے اور بعض کہتے ہیں: ''اعجوبہ'' ہر اس اچھی یا بری چیز کو کہتے ہیں جو تعجب آور ہو۔ اس حدیث میں اس لفظ سے پہلا معنی یعنی اچھی چیز مراد ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد ایسی چیز ہے جس کا حسن تعجب آور ہو، اگرچہ استعمال میں لطافت کے طور پر عام معنی میں مستعمل ہے۔

اور ''بر'' عقوق کے برخلاف ہے۔ جیسے عربی میں کہا جاتا ہے: فُلَانٌ یَبَرُّ خَالِقَهُ یعنی وہ اپنے خالق کی اطاعت کرتا ہے۔ جوہری نے بھی یہی معنی بتائے ہیں۔

''ثقلان'' سے مراد جن وانس ہیں۔

یہ حدیث شریف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خوف و رجاء دونوں کو درجہ کمال پر ہونا چاہیے اور رحمت الٰہی سے مایوسی اور مکر سے اطمینان، یہ دونوں مکمل طور پر ممنوع ہیں۔ چنانچہ بہت سی احادیث[3] کا مضمون بھی اس مطلب پر دلالت کرتا ہے اور قرآن مجید کی نص بھی موجود ہے۔[4]

دوسری چیز یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو دوسرے پر فوقیت نہیں ہے۔ خدا نے چاہا تو چند فصلوں کے

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۶۷، کتاب ایمان وکفر، باب خوف ورجاء، حدیث ۱۔

[2] اسماعیل بن حماد جوہری (۳۳۲ھ تا ۳۹۳ھ یا ۳۹۸ھ) اہل لغت اور ادیبوں کے پیشوا ہیں۔ کلام واصول میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ابوعلی فارسی اور ابوسعید سیرانی سے شاگردی حاصل کی تھی۔ ''الصحاح'' ان کی مشہور ترین کتاب لغت ہے۔

[3] بحارالانوار، ج ۶۷، کتاب ایمان وکفر، باب ۵۹، احادیث ۲۸، ۳۹، ۴۶، ۷۱، ۷۲ وغیرہ۔

[4] سورۂ اعراف، آیت ۹۹۔ سورۂ یوسف، آیت ۸۷۔ سورۂ زمر، آیت ۵۳۔ سورۂ حجر، آیت ۵۶۔

ضمن میں ہم اس کو اور حدیث کے دیگر مفاہیم کو ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ۔

پہلی فصل: عارف انسان کی دو نظریں ہوتی ہیں

جان لو کہ حقیقت کے جاننے والے اور ممکن و واجب کے درمیان نسبت سے مطلع انسان کی دو نظریں ہوا کرتی ہیں:

پہلی نظر:

اپنے اور تمام ممکنات کے ذاتی نقص اور کائنات کی سیاہ روئی پر نظر جو اس کو علماً یا عیناً حاصل ہو جاتی ہے کہ وجود ممکن سر سے پیر تک نقص کی ذلت اور ازل سے ابد تک فقر و احتیاج و امکان کے تاریک سمندر میں ڈوبا ہوا ہے اور خود کسی چیز کا مالک نہیں ہے، یہ ناچیز محض اور بے آبروئے محض ہے، ناقص علی الاطلاق ہے، بلکہ یہ تعبیر بھی اس کیلئے درست نہیں ہے! یہ تو تنگی تعبیر و ضیق مجال سخن کی وجہ سے ہے، ورنہ نقص و فقر و احتیاج تو ممکن شے کی فرع ہے۔ اس لئے کہ تمام ممکنات و مخلوقات کے پاس اپنی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس نظر سے اگر تمام عبادات و طاعات اور عوارف و معارف کو خداوند قدوس کے سامنے پیش کیا جائے تو پریشانی، شرمندگی اور ذلت و خوف کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ کیسی اطاعت و کیسی عبادت؟ کیسی اور کس کیلئے؟ تمام حمد و ثنا تو خدا کیلئے ہیں۔ ممکن کا اس میں کوئی دخل ہی نہیں ہے، بلکہ ممکن کی دخالت، اظہار حمد و ثنائے حق میں نقص عارض کرنے والا ہے۔ اب میں عنان قلم کو یہاں سے موڑتا ہوں۔

ارشاد خداوند ہے:

﴿مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۘ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ﴾

جو خیر تم کو پہنچتی ہے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو بدی پہنچتی ہے وہ تمہاری اپنی طرف سے ہوتی ہے۔[1]

چنانچہ مقام اوّل میں فرماتا ہے:

﴿قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ﴾

اے رسولؐ! کہہ دیجئے سب خدا کی طرف سے ہے۔[2]

---

[1] سورۂ نساء، آیت ۷۹۔

[2] سورۂ نساء، آیت ۷۸۔

اور شاعر[1] یہاں پر کہتا ہے:

پیر ما گفت خطا بر قلم صنع نرفت
آفرین بر نظر پاک خطا پوشش باد

پیر کا قول تو مقام دوّم سے متعلق ہے، مگر خود شاعر کا قول مقام اوّل کی طرف اشارہ ہے۔ پس اس نظر میں انسان کو خوف، حزن، شرم اور پریشانی گھیر لیتی ہے۔

دوسری نظر:

کمال واجب اور بساط رحمت اور اس کے لطف و بے انتہا عنایت کی وسعت پر نظر کرنا ہے کہ یہ گوناگوں رحمتوں اور نعمتوں کی بساط جس کا احاطہ ناممکن ومحال ہے، یہ سب اس نے کسی استعداد وقابلیت کا لحاظ کئے بغیر عطا کئے ہیں، بندوں پر ان کے کسی استحقاق کے بغیر اپنے لطف وکرم کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اس کی نعمتیں ابتدا سے ہیں اور بغیر کسی سوال کے ہیں۔ چنانچہ حضرت سیّد الساجدین زین العابدین علیہ السلام نے صحیفہ کاملہ اور دیگر دُعاؤں میں بار بار اس مطلب کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔[2]

پس انسان کی امید قوی ہوجاتی ہے اور وہ امیدوار رحمت حق تک پہنچ جائے گا۔ (وہ تو ایسا) کریم ہے جس کا کرم عنایت ورحمت ہے۔ ایسا مالک الملوک ہے کہ ہمارے سوال اور ہماری استعداد کے بغیر ہم پر اتنی عنایتیں کی ہیں کہ تمام عقول ان کے تھوڑے سے حصے کا علم نہیں حاصل کر سکتے۔ اہل معصیت کا عصیان اس کی وسیع مملکت میں کوئی خلل نہیں ڈال سکتا اور اہل اطاعت کی اطاعت اس میں کوئی اضافہ نہیں کرسکتی، بلکہ اس ذات مقدس کا ہدایت کے راستوں کا بتانا اور عصیان سے روکنا اس کی کرم نوازی اور رحمت ونعمت کی بخشش ہے اور مقامات کمال ومدارج کمالیہ تک پہنچنے اور نقص وبرائی سے بچنے کا وسیلہ ہے۔

---

[1] یہ بیت حافظ شیرازی کا ہے۔

[2] صحیفہ سجادیہ کی بارہویں دُعا میں ارشاد ہے: اِذْ جَمِيْعُ اِحْسَانِكَ تَفَضُّلٌ. وَاِذْ كُلُّ نِعَمِكَ ابْتِدَآءٌ: ''اس لئے کہ تیرے تمام احسان تیری طرف سے تیرا فضل وکرم ہیں، کیونکہ تیری تمام نعمتیں بغیر کسی استحقاق کے ہیں''۔

اور صحیفہ سجادیہ کی ۳۲ ویں دُعا میں ہے: فَلَكَ الْحَمْدُ عَلَى ابْتِدَآئِكَ بِالنِّعَمِ الْجِسَامِ: ''پس حمد تیرے لئے ہی ہے اس لئے کہ بڑی نعمتوں کا آغاز تو نے فرمایا''۔

نیز حضرت امام سجاد علیہ السلام کی دُعائے ابوحمزہ ثمالی اور دوسری دُعاؤں مثلاً دُعائے افتتاح وغیرہ میں اس مضمون کی نظیر موجود ہے۔

لہٰذا اگر ہم اس کی بارگاہ عزت وجلال اور بارگاہ رحمت وکمال میں جا کر عرض کریں:

بارالہا! تو نے ہم کو لباس ہستی پہنایا اور ہمارے لئے تصور کرنے والوں کے تصور سے زیادہ حیات و راحت کے اسباب ووسائل پیدا کئے، تمام ہدایات کے راستے ہمیں دکھائے اور یہ تمام عنایتیں ہمارے مفاد میں اور نعمت و رحمت کو پھیلانے کیلئے تھیں، اب ہم تیرے دار کرامت میں، تیری بارگاہ عظمت و سلطنت میں، دونوں جہانوں کے گناہ لئے ہوئے آئے ہیں اور (ہم جانتے ہیں) گنہگاروں کے گناہ نہ تیری عظمت کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ تیری حکومت میں خلل پیدا کر سکتے ہیں، یہ مٹھی بھر مٹی تیری عظمت وجلالت کے مقابلے میں کسی شمار کے قابل نہیں ہے، اس کے ساتھ تو رحمت وعنایت کے سوا کیا کرے گا؟ کیا تیری بارگاہ سے رحمت کے علاوہ کسی اور چیز کی توقع کی جا سکتی ہے؟

پس انسان کو ہمیشہ ان دنوں نظروں میں مقید رہنا چاہیے، نہ اپنے نقص اور نہ ہی بندگی میں کوتاہی اور قصور کی طرف سے چشم پوشی کرنی چاہیے اور نہ ہی وسعت رحمت اور لطف الٰہی ونعمت وعنایت الٰہی کے شامل ہونے سے مایوس ہونا چاہیے۔

دوسری فصل: عبادت خدا سے ممکن کی عاجزی

اے عزیز! یہ جان لو کہ ''خوف'' و ''رجاء'' کے مراتب ودرجات ہیں اور یہ مراتب بندوں کی معرفت و حالات کے مراتب کے اعتبار سے ہیں۔ چنانچہ عوام کا خوف عذاب سے ہے اور خواص کا خوف عتاب سے ہے اور اخص خواص کا خوف احتجاب (حجاب) سے ہوتا ہے۔ اس وقت تو میں اس کی شرح کے درپے نہیں ہوں۔ سابقہ مطلب کے سلسلے میں جو کچھ بھی ہے اس کو دوسرے بیان کے ساتھ ذکر کروں گا۔

پس جان لو کہ دنیا کی کوئی مخلوق خدا کی عبادت، جیسی کی جانی چاہیے ویسی نہیں کر سکتی۔ اس لئے کہ عبادت کا مطلب اس ذات مقدس کے مقام کی حمد وثنا ہے اور ہر شخص کی ثنا اسکی معرفت کے اعتبار ہی سے ہوتی ہے اور چونکہ بندوں کے دست آرزو اس کی معرفت ذات کی عزت وجلال سے درحقیقت کوتاہ ہیں، لہٰذا اسکے جمال وجلال کی ثنا بھی نہیں کر سکتے، چنانچہ اشرف مخلوقات واعرف موجودات (رسول اکرمؐ) مقام ربوبیت کے سلسلے میں اعتراف عجز وقصور کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ۔

ہم نے تیری عبادت ایسی نہیں کی جو اس کا حق بنتا ہے اور نہ ہی تجھے ایسا پہچانا جو اس کا حق ہونا چاہیے۔[1]

واضح رہے کہ اس حدیث میں دوسرا جملہ پہلے جملے کی علت ہے۔

نیز فرمایا:

اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔

تو اسی طرح ہے جس طرح تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔[2]

پس یہ ذاتی قصور ممکن الوجود کا حق ہے اور ذاتی برتری مخصوص ہے ذات کبریا جل جلالہ کیلئے اور چونکہ بندے ذات مقدس کی عبادت و ثنا سے عاجز ہیں اور معرفت و بندگی حق کے بغیر کوئی بھی بندہ مقامات عالیہ اور مدارج اُخرویہ تک نہیں پہنچ سکتا اور یہ بات اپنی جگہ پر علمائے آخرت کے نزدیک دلیلوں سے ثابت ہے، (البتہ) عوام اس سے غافل ہیں اور اُخروی مدارج کو افواہ یا افواہ کی مانند کوئی بات سمجھتے ہیں تَعَالَى اللهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (حالانکہ اللہ ایسی باتوں سے مکمل پاک ومنزہ ہے)۔ اس لئے خداوند عالم نے اپنے عام فضل وکرم اور رحمت واسعہ کی بنا پر ملائکہ وانبیاء علیہم السلام کیلئے غیبی تعلیمات اور وحی والہام کے ذریعے ان کے سامنے اپنی رحمت کا دروازہ اور عنایتوں کا دریچہ کھول دیا اور وہ عبادت ومعرفت کا دوازہ ہے۔ خدا نے اپنے بندوں کو اپنی عبادت کا طریقہ سکھایا اور معرفت کا راستہ دکھایا تاکہ لوگ حتی الامکان اپنا نقصان دور کرسکیں اور تحصیل کمال کرسکیں اور نور بندگی کے پرتو سے عالم کرامت حق اور روح وریحان وجنت نعیم تک ہدایت حاصل کرسکیں، بلکہ رضائے الٰہی عظیم تک پہنچ سکیں۔

پس عبادت وعبودیت کے دروازے کو کھولنا بہت بڑی نعمت ہے کہ تمام مخلوقات جس کے مرہون منت ہیں اور اس نعمت کا شکریہ نہیں ادا کرسکتے، بلکہ ہر شکر ایک ایسے باب کرامت کے کھولنے کے

---

[1] مراۃ العقول، ج ۸، ص ۱۴۶، کتاب ایمان وکفر، باب شکر۔

[2] رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعائے سجدہ سے اقتباس۔ (فروع کافی، ج ۳، ص ۳۲۴، کتاب الصلوۃ، باب السجود، حدیث ۱۲۔ مصباح الشریعہ، باب ۵۔ مراۃ العقول، ج ۸، ص ۱۴۶، کتاب ایمان وکفر، باب شکر)

مترادف ہے جس کے شکر سے انسان عاجز ہے۔ اب اگر انسان کو اس روش کا علم ہو گیا اور اس کا دل اس پر مطلع ہو گیا تو وہ خود ہی اپنی کوتاہی کا اعتراف کر لے گا اور اگر جن وانس، ملائکہ مقربین کی (عبادات کے برابر) عبادت بھی بارگاہ خداوندی میں لے جائے تب بھی خائف اور مقصر رہے گا، نیز حق کے عارف بندے اور اس کے اولیائے خاص کہ جن کے سامنے (قضاو) قدر کا ایک راز بھی منکشف ہو گیا اور ان کا دل نور معرفت سے روشن ہو گیا تو ان کا دل خوف سے اس طرح لرزتا اور ان کا قلب اس طرح متزلزل رہتا ہے کہ اگر تمام کمالات ان کے پاس جمع ہو جائیں اور تمام معارف کی کنجی ان کے ہاتھوں میں دیدی جائے اور ان کے دل تجلیات سے مالا مال ہو جائیں پھر بھی نہ ذرہ برابر ان کا خوف کم ہوگا اور نہ تزلزل میں کمی آئے گی۔ چنانچہ انہی عرفا میں سے ایک کہتا ہے: ''سب لوگ انجام سے ڈرتے ہیں اور میں ابتدا سے ڈرتا ہوں''۔[1]

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ! خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ خدا جانتا ہے کہ اس کلام سے انسان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا چاہیے اور اس کا دل پگھل جانا چاہیے اور اسے صحرا کی طرف بھاگ جانا چاہیے ''افسوس!'' انسان کتنا غافل ہے۔

دوسرے یہ کہ میں نے اس سے پہلے کسی ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے عرض کیا ہے کہ ہماری ساری عبادتیں واطاعتیں صرف اپنی غرض کے حصول کیلئے ہوتی ہیں اور ہمارا محرک ''حُبِّ نفس'' ہوتا ہے اور درحقیقت دنیا کا زہد آخرت کیلئے ہوتا ہے اور یہ آزاد لوگوں کے نزدیک ایسا ہی ہے کہ جیسے دنیا کا زہد صرف دنیا کیلئے کیا جائے۔ پس اگر دونوں جہاں کی عبادتوں کو بھی خداوند قدوس کے سامنے لے جائیں تو اس سے پروردگار عالم سے دوری کے علاوہ کسی اور چیز کا استحقاق ہم کو حاصل نہ ہوگا۔ خداوند عالم نے ہم کو اپنی بارگاہ انس کے قریب بلایا ہے اور خَلَقْتُكَ لِاَجْلِیْ[2] کہہ کر ہماری غرض تخلیق کو اپنی معرفت قرار دیا ہے۔ معارف کے راستوں اور عبودیت کی راہوں کی نشاندہی کی ہے، لیکن اس کے باوجود ہم اپنے پیٹ بھرنے اور جنسی خواہشات کی تکمیل کے علاوہ کسی چیز کے بارے میں سوچتے ہی نہیں اور خود غرضی و

---

[1] یہ کلام خواجہ عبداللہ انصاری کی مناجات میں سے ہے کہ فرمایا: سب خاتمہ (وانجام) سے ڈرتے ہیں اور عبداللہ فاتحہ وابتدا سے۔

[2] حدیث قدسی میں ارشاد خداوندی ہے: عَبْدِیْ خَلَقْتُ الْاَشْیَآءَ لِاَجْلِكَ وَ خَلَقْتُكَ لِاَجْلِیْ: ''اے میرے بندے! میں نے تمام چیزوں کو تیرے لئے پیدا کیا ہے مگر تجھ کو اپنے لئے''۔ (علم الیقین، ج۱، ص۳۸۱، باب۵، فصل۳)۔

خود پسندی کے علاوہ ہمارا کوئی مقصد ہی نہیں ہے!

لہٰذا اے بے چارے انسان! تیری عبادات و مناسک تجھ کو ساحت مقدس سے دور کر کے مستحق عتاب وعقاب بنا دیتی ہیں۔ (آخر) تو کس پر اعتماد کرتا ہے؟ شدتِ خوف خدا نے تجھ کو بے آرام کیوں نہیں کیا، تیرا دل خون کیوں نہیں ہو گیا، کیا کوئی بھروسے کی چیز رکھتا ہے، کیا تو اپنے اعمال پر وثوق و اطمینان رکھتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو تیرے حال پر وائے ہو اور تیری اپنی ذات اور مالک الملوک کی معرفت کی حالت پر وائے ہو! (ہاں!) اگر خدا کے فضل و کرم اور اس کی مقدس ذات کی وسیع رحمتوں اور عام عنایتوں پر امید رکھتا ہے، تب تو بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے اور قابل اطمینان مقام پر بھروسہ کیا ہے اور مستحکم اور مضبوط جائے پناہ حاصل کی ہے۔

اے پروردگار! ہمارے ہاتھ ہر چیز سے کوتاہ ہیں۔ ہم خود جانتے ہیں کہ ہم ناقص و ناچیز اور تیری بارگاہ کے لائق نہیں ہیں اور نہ تیری بارگاہ قدس کے لائق کچھ رکھتے ہیں، سر سے پیر تک نقص اور خامیوں سے پُر ہیں، ہمارا ظاہر و باطن گناہوں اور ہلاک وتباہ و برباد کرنے والی چیزوں سے بھرا ہے۔ ہم کیا ہیں جو تیرے لئے اظہار ثنا کریں! جہاں پر تیرے اولیاء کہتے ہیں: اَ فَبِلِسَانِیْ هٰذَا الْكَالِّ اَشْكُرُكَ؟[1]: ''کیا اس زبان قاصر سے تیرا شکریہ ادا کروں!'' اور جہاں پر تیرے اولیاء اپنے ضعف و قصور کا اعتراف کریں وہاں ہم گنہگاروں اور ساحت کبریا سے محجوب کیا کہہ سکتے ہیں؟ صرف لقلقلہ زبان سے یہی تو عرض کر سکتے ہیں: ہم تیرے رحم و کرم کے امیدوار ہیں، ہماری امید اور ہمارا بھروسہ تیرے فضل و کرم اور تیری عفو و بخشش اور جود و کرم پر ہے، جیسا کہ تیرے اولیاء کے زبانوں پر جاری ہے۔

کتاب الکافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ: اَلَا لَا يَتَّكِلِ الْعَامِلُوْنَ عَلٰى اَعْمَالِهِمُ الَّتِيْ يَعْمَلُوْنَهَا لِثَوَابِيْ فَاِنَّهُمْ لَوِ اجْتَهَدُوْا وَ اَتْعَبُوْا اَنْفُسَهُمْ وَ اَعْمَارَهُمْ فِيْ عِبَادَتِيْ كَانُوْا مُقَصِّرِيْنَ غَيْرَ بَالِغِيْنَ فِيْ عِبَادَتِهِمْ كُنْهَ عِبَادَتِيْ فِيْمَا يَطْلُبُوْنَهُ عِنْدِيْ مِنْ كَرَامَتِيْ وَ لٰكِنْ

[1] دعائے ابوحمزہ ثمالی، مصباح کفعمی، فصل ۴۵، ص ۵۹۶۔ مصباح المتہجد، ص ۵۳۴۔

بِرَحْمَتِیْ فَلْیَثِقُوْا وَ مِنْ فَضْلِیْ فَلْیَرْجُوْا وَ اِلٰی حُسْنِ الظَّنِّ بِیْ فَلْیَطْمَئِنُّوْا وَ اِنَّ رَحْمَتِیْ عِنْدَ ذٰلِكَ تُدْرِكُهُمْ وَ مِنِّیْ تَبْلُغُهُمْ وَ رِضْوَانِیْ وَ مَغْفِرَتِیْ تُلْبِسُهُمْ، فَاِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ وَ بِذٰلِكَ تَسَمَّیْتُ۔

خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے: میرے لئے عمل کرنے والے جو عمل مجھ سے ثواب حاصل کرنے کیلئے کرتے ہیں اس (عمل) پر بھروسہ نہ کریں۔ اس لئے کہ اگر وہ ساری عمر میری عبادت کریں اور اپنے نفسوں کو تکلیف میں ڈالیں اور بھرپور کوشش کریں تب بھی وہ میری عبادت کا حق ادا نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ اپنی عبادت کے ذریعے میری حقیقی عبادت تک پہنچ سکتے ہیں، کیونکہ وہ (ان عبادتوں کے ذریعے) میرے فضل و کرم، میری جنت کی نعمتوں اور میرے جوار میں اعلیٰ درجات کے طالب ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو چاہیے میری رحمت پر بھروسہ کریں، میرے فضل کی امید کریں اور مجھ سے حسن ظن رکھ کر مطمئن ہوں، کیونکہ اس طرح میری رحمت ان کو پالے گی اور میرا احسان ان کو میری رضا تک پہنچا دے گا اور میری مغفرت ان کو میرا (لباس) عفو پہنا دے گی۔ میں وہ اللہ ہوں جو رحمٰن و رحیم ہے اور اسی سے میرا نام لیا جاتا ہے۔[1]

اسی طرح اسباب خوف میں خدا سے ڈر کی شدت، راہ آخرت پر سلوک کی سختی، زندگی کے دوران اور موت کے وقت پیش آنے والے خطرات، برزخ و قیامت کی سختیوں اور حساب و میزان کے وقت سخت حساب و کتاب پر غور و خوض کرنا ہے۔ اگر ان آیات و احادیث کو دیکھا جائے جو خدا کے وعدوں پر مشتمل ہیں تو پھر پوری امید ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث بیان کرنے والوں نے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن خدا اپنی بساط رحمت کو اس طرح پھیلائے گا کہ شیطان کو بھی مغفرت کی طمع ہونے لگے گی۔[2]

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۷۱، کتاب ایمان و کفر، باب حسن الظن باللہ، حدیث ۱۔

[2] حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ نَشَرَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى رَحْمَتَهٗ حَتّٰى يَطْمَعَ اِبْلِيْسُ فِيْ رَحْمَتِهٖ: ''جب قیامت کا دن ہوگا خداوند تبارک و تعالیٰ اپنی رحمت کو ہر سو پھیلا دے گا، یہاں تک کہ ابلیس بھی اس کی رحمت کی طمع کرنے لگے گا''۔ (بحار الانوار، ج ۷، ص ۲۸۷، کتاب عدل و معاد، باب ۱۴، حدیث ۱)

بحسب روایات، خداوند عالم نے اس عالم کو جب سے خلق فرمایا اس پر نظر کرم نہیں ڈالی اور نہ اس میں رحمت نازل کی[1]۔ بس دوسرے عوالم کے مقابلے میں ایک ذرے کے برابر نظر فرمائی ہے اور یہ تمام نعمت ورحمت الٰہی، فضل وبخشش حضرت باری سر سے پیر تک کو گھیرے ہوئے ہے اور تمام وہ چیزیں جو ظاہر ہیں یا ناپید، سب عطا ونعمت الٰہی کا ایسا دستر خوان ہیں کہ اگر تمام دنیا والے اس کی نعمت ورحمت کے ایک ذرے کا احاطہ کرنا چاہیں تو ناممکن ہے تو پھر اس عالم کا کیا حال ہوگا جو عالم کرامت ہے اور الٰہی مہمانخانہ ہے اور جائے رحمت اور رحیمیت ورحمانیت کا مقام ہے! یہاں اگر شیطان رحمت کی طمع اور عطا کی امید کرے تو اس کو حق حاصل ہے۔ لہٰذا تم بھی اپنے حسن ظن کو خدا کے سلسلہ میں کامل کرو اور اس کے فضل پر بھروسہ کرو۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿إِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا﴾

خدا تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔[2]

وہ سب کو اپنے بحر عطا ورحمت میں غرق کر دیتا ہے اور خدا اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ ہاں! وعید کی خلاف ورزی ممکن ہے، بلکہ بہت واقع ہوئی ہے۔ لہٰذا اس کی رحمت کاملہ پر اطمینان کر کے دل کو خوش کرو۔ اگر خدا کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو تم پیدا نہ ہوتے، ہر مخلوق پر خدا کا رحم وکرم ہے۔ وَسِعَتْ رَحْمَتُهُ كُلَّ شَيْءٍ۔[3]

---

[1] جیسا کہ روایت میں آیا ہے: فَمَا لَهَا عِنْدَ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ قَدْرٌ وَ لَا وَزْنٌ وَ لَا خَلْقٌ فِيمَا بَلَغَنَا خَلْقًا أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنْهَا وَ لَا نَظَرَ إِلَيْهَا مُذْ خَلَقَهَا: ''خداوند عالم کے نزدیک دنیا کی نہ کوئی قدر ہے اور نہ اس کا کوئی وزن ہے۔ پروردگار عالم نے جن مخلوقات کو پیدا کیا ہے ان میں سے جیسا کہ ہم کو اطلاع ملی ہے، دنیا سے زیادہ خدا کے نزدیک کوئی شے مبغوض نہیں ہے اور خدا نے جب سے دنیا کو پیدا کیا ہے اس کی طرف نظر رحمت نہیں کی''۔ (بحار الانوار، ج ۷۰، ص ۱۱۰، کتاب ایمان وکفر، باب ۱۲۲، حدیث ۱۰۹)

[2] سورۂ زمر، آیت ۵۳۔

[3] یہ جملہ دراصل اس آیہ شریفہ کی طرف اشارہ ہے جس میں ارشاد ہے: ﴿وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ ۖ قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ ۖ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ﴾: ''(اے ہمارے پروردگار!) ہمارے لئے اس دنیا میں بھی حسنہ مقدر فرما اور آخرت میں بھی۔ ہم نے تیری طرف ہدایت حاصل کی ہے۔ آواز قدرت آئی: میرا عذاب جس کو چاہوں گا اسی کو پہنچے گا مگر ہماری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے''۔ (سورۂ اعراف، آیت ۵۳)

تیسری فصل: رجاوغرور کا فرق

لیکن میرے عزیز! رجااور غرور کے فرق کی طرف متوجہ رہو! ممکن ہے تم اہل غرور (دھوکہ) سے ہو اور گمان کرتے رہو کہ اہل رجا سے ہو۔ اس کی تمیز اس کی بنیادوں کے اعتبار سے آسان ہے۔ تم یہ دیکھو کہ جو حالت تمہارے یہاں پیدا ہوئی ہے اور جس کی وجہ سے تم اپنے کو امیدوار رحمت سمجھتے ہو یہ حالت حق تعالیٰ کے احکام میں سستی کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے یا ذات پروردگار عالم کی وسیع رحمت وعظمت پر عقیدہ رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے؟ اب اگر اس کی بھی تمیز مشکل ہے تو آثار کے ذریعے فرق معلوم کرنا ممکن ہے۔ اگر خدا کی عظمت دل میں ہوا اور اس ذات مقدس کی رحمت اور عطا اس کے دل پر محیط ہو تو وہ اطاعت وعبودیت کیلئے آمادہ ہوسکتا ہے، کیونکہ منعم وعظیم کی عبادت وتعظیم ناقابل انکار فطری امر ہے۔

لہٰذا اگر تم بندگی کے فرائض کی انجام دہی اور اطاعت وعبادت میں جدوجہد باقاعدہ کرو، اپنے اعمال پر بالکل بھروسہ نہ کرو اور اعمال کو ہیچ سمجھتے ہوئے رحمت حق اور فضل وعطائے پروردگار پر (بھرپور) بھروسہ رکھو، اپنے اعمال کی وجہ سے اپنے کو ملامت ومذمت کا مستحق سمجھو، غضب وناراضگی خدا کا مستحق مانو، جواد علی الاطلاق کی رحمت اور جود پر تکیہ کرو، تب مقام ''رجا'' کے مالک بنو گے، پھر خدا کا شکر کرو اور اس کی ذات مقدس سے دُعا کرو کہ اس امید رحمت کو تمہارے دل میں محکم ومضبوط کردے اور اس سے بلند مقام تجھ کو عنایت کرے۔

اور اگر تم نے خدانخواستہ اوامر الٰہی کے بارے میں سستی برتی اور اس کو ناچیز وبے اہمیت سمجھا تو یہی ''غرور'' اور دھوکہ ہے جو تمہارے دل میں پیدا ہوا ہے اور یہ تمہارے نفس امارہ اور شیطان کی مکاریوں میں سے ہے۔ اگر خدا کی رحمت وعظمت کی وسعت پر تمہارا ایمان ہوتا تو تمہارے اندر اس کا کچھ تو اثر نمایاں ہوتا۔ جس شخص کا عمل اس کے دعویٰ کے مخالف ہے وہ خود ہی اپنے کو جھٹلانے والا ہے۔ احادیث معتبرہ میں اس کلام کے شواہد بہت ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے:

قَالَ: قُلْتُ لَهُ: قَوْمٌ يَعْمَلُوْنَ بِالْمَعَاصِيْ وَيَقُوْلُوْنَ نَرْجُوْ. فَلَا يَزَالُوْنَ كَذٰلِكَ حَتّٰى يَأْتِيَهُمُ الْمَوْتُ. فَقَالَ: هٰؤُلَآءِ قَوْمٌ يَتَرَجَّحُوْنَ فِي الْاَمَانِيِّ. كَذِبُوْا. لَيْسُوْا

بِرَاجِيْنَ. مَنْ رَجَا شَيْئًا طَلَبَهُ. وَمَنْ خَافَ مِنْ شَيْءٍ هَرَبَ مِنْهُ۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: (مولا!) کچھ لوگ گناہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم (رحمت حق) پر امید رکھتے ہیں اور مرتے وقت تک ایسا ہی کرتے اور کہتے رہتے ہیں تو حضرتؑ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو اعتدال سے بے جا آرزوؤں کی طرف مائل ہو گئے ہیں، یہ جھوٹے ہیں، امید نہیں رکھتے۔ اگر کوئی کسی چیز کی امید رکھتا تو اس کا طالب بھی ہوتا ہے اور جو کسی سے ڈرتا ہے اس سے بھاگتا ہے''۔[1]

اسی طرح ایک اور روایت میں آیا ہے:

سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللهِ(ع) يَقُوْلُ: لَا يَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ مُؤْمِنًا حَتّٰى يَكُوْنَ خَآئِفًا رَّاجِيًا. وَلَا يَكُوْنُ خَآئِفًا رَّاجِيًا حَتّٰى يَكُوْنَ عَامِلًا لِّمَا يَخَافُ وَيَرْجُوْ۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''مومن اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک خوفزدہ و پر امید نہ ہو اور خوفزدہ اور پُر امید اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اس چیز کو بجا نہ لائے جس سے خوف کھاتا ہے اور جس کی امید رکھتا ہے''۔[2]

بعض نے فرمایا: ''جو شخص عمل نہیں کرتا اور رحمت ربّ کی امید اور رجا کرتا ہے، اس کی مثال اس شخص کی ہے جو اسباب مہیا کئے بغیر مسبب کے انتظار میں بیٹھا ہو''[3]، جیسے وہ کسان جو بیج بوئے بغیر یا زمین کی دیکھ بھال اور آبپاشی کئے بغیر اور رکاوٹوں کو دور کئے بغیر فصل اُگنے کے انتظار میں بیٹھا رہے، اس کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ: امید رکھتا ہے، بلکہ اس کو کہا جاتا ہے کہ وہ احمق اور بے وقوف ہے۔ اسی طرح جو شخص اخلاق کو درست نہ کرے یا گناہوں سے نہ بچے اور عمل کرے، اس کی مثال اس شخص کی ہے جو سیم زدہ زمین میں زراعت کرے، ظاہر ہے ایسی زراعت مطلوبہ نتیجہ نہیں دے گی۔

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۶۸، کتاب ایمان و کفر، باب خوف و رجاء، حدیث ۵۔

[2] اصول کافی، ج ۲، ص ۷۱، کتاب ایمان و کفر، باب خوف و رجاء۔ حدیث ۱۱۔

[3] احیاء علوم الدین، ج ۴، ص ۱۳۹، کتاب ایمان و کفر، باب خوف و رجاء، بحث حقیقت رجاء۔

پس محبوب و مستحسن رجا یہ ہے کہ انسان اپنے تمام ان اسباب کو جو اس کے قبضہ میں ہیں اور خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کو عطا فرمائے ہیں اور اصلاح وفساد کے تمام طریقوں کی جو اس کو ہدایت فرمائی ہے اور ان کے مہیا کرنے کا حکم دیا ہے، ان سب کو استعمال کرے، اس کے بعد یہ آس وامید لگائے کہ جو اسباب اس کی طاقت سے باہر ہیں خدا اپنی سابقہ عنایتوں کی طرح ان کو فراہم کرے گا اور تمام رکاوٹوں اور خرابیوں کو دور کرے گا۔

بس (اسی طرح) اگر بندہ اپنے دل کو برے اخلاق کے کانٹوں اور گناہوں کی کنکریوں اور سیم وتھور سے پاک کر کے اس میں اعمال کے بیج بوئے گا اور علم نافع وایمان خالص کے صاف وشفاف پانی سے آبپاشی کرے گا اور عُجب و ریا وغیرہ جیسی گھاس کے مانند چیزوں جو زراعت کی نشوونما میں رکاوٹ بنتی ہے ان جیسے مفسدات وموانع سے عمل کو خالص رکھے گا اور اس کے بعد فضل خدا کے انتظار میں بیٹھے گا، تب خدا اس کو ثابت ومحفوظ رکھے گا اور اس کا خاتمہ بالخیر کرے گا اور یہ رجا مستحسن ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ﴾

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جہاد کیا وہی رحمت الٰہی کی امید رکھنے کا حق رکھتے ہیں۔[1]

چوتھی فصل: خوف ورجا کے موازنہ کی علت

اس حدیث شریف کے ذیل میں مذکور ہے: خوف ورجا کو ایک دوسرے پر ترجیح نہیں دینا چاہیے۔ جیسا کہ یہی مضمون ابن ابی عمیر کے اس خط میں بھی پایا جاتا ہے جو امام صادق علیہ السلام ہی سے مروی ہے۔[2]

انسان جب اپنے کمال نقص اور فرائض عبودیت کی کوتاہی کو دیکھتا ہے اور راہ آخرت کی سختی اور تنگی میں غور کرتا ہے تو اس کے اندر اعلیٰ درجے کا خوف پیدا ہو جاتا ہے اور جب اپنے گناہوں کو دیکھتا ہے اور

---

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۲۱۸۔

[2] اصول کافی، ج ۲، ص ۷۱، کتاب ایمان وکفر، باب خوف ورجاء، حدیث ۱۳، ۱۲۔

لوگوں کے حالات میں غور وفکر کرتا ہے کہ ان کی حالت ابتدا میں اچھی تھی، لیکن انجام میں بے ایمان اور بے عمل ہوکر گئے اور برائیوں اور بدیوں میں مبتلا ہوئے تو اس کے اندر خوف شدید پیدا ہوجاتا ہے۔

کافی شریف میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

اَلْمُؤْمِنُ بَيْنَ مَخَافَتَيْنِ: ذَنْبٍ قَدْ مَضٰى لَا يَدْرِىْ مَا صَنَعَ اللّٰهُ فِيْهِ، وَ عُمُرٍ قَدْ بَقِىَ لَا يَدْرِىْ مَا يَكْتَسِبُ فِيْهِ مِنَ الْمَهَالِكِ. فَهُوَ لَا يُصْبِحُ اِلَّا خَآئِفًا وَّ لَا يُصْلِحُهٗ اِلَّا الْخَوْفُ۔

مومن دوخوف کے درمیان ہے: ایک تو ان گناہوں کا خوف جو ماضی میں کئے تھے جن کے بارے میں معلوم نہیں ہے کہ خدا نے اس بارے میں کیا کیا؟ دوسرے اس عمر کے بارے میں جو باقی اور معلوم نہیں اس میں کتنی ہلاکت خیز چیزوں کا ارتکاب کرے گا؟ پس اس کی ہر صبح خوف کے ساتھ ہوتی ہے اور خوف کے علاوہ کوئی دوسری چیز اس کی اصلاح نہیں کرسکتی۔[1]

کافی میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو خطبہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے وہ بھی اسی مضمون کا ہے۔[2]

مختصر یہ کہ انسان انتہائے نقص وتقصیر کے درجے پر ہے اور خدا انتہائے کمال وعظمت اور جلالت و وسعت وعطا کے درجے پر ہے اور بندہ ان دونوں نظروں کے درمیان خوف ورجا کے نقطہ اعتدال پر ہے اور چونکہ اسمائے جلالیہ وجمالیہ یکساں قلب سالک پر جلوہ گر ہوتے ہیں اس لئے خوف ورجا ایک دوسرے پر ترجیح پیدا نہیں کرپاتے۔

بعض نے فرمایا ہے کہ:

بعض اوقات انسان کیلئے خوف نفع بخش ہے، جیسے صحت وسلامتی کی حالت میں انسان کسب کمال اور عمل صالح کی کوشش کرے، مگر بعض حالات میں رجا بہتر ہے،

---

[1] اصول کافی، ج ۲، ص ۷۱، کتاب ایمان وکفر، باب خوف ورجاء، حدیث ۱۳، ۱۲۔

[2] اصول کافی، ج ۲، ص ۷۰، کتاب ایمان وکفر، باب خوف ورجاء، حدیث ۹۔

جیسے موت کی علامتیں ظاہر ہونے کے بعد تا کہ انسان خدا سے ایسی حالت میں ملاقات کرے جو خدا کے نزدیک محبوب تر ہے۔[1]

مگر یہ قول سابق گفتگو اور حدیثوں کے مطابق نہیں ہے۔ اس لئے کہ پسندیدہ رجا بھی عمل و کسب آخرت پر ابھارنے والا ہے اور خوف خدا ہمیشہ پسندیدہ اور رجائے واثق کے منافی نہیں ہوا کرتا۔

بعض حضرات نے کہا ہے:

خوف، عالم آخرت میں نفسانی فضائل اور عقلی کمالات میں سے نہیں ہے اور صرف دنیا میں جو مقام عمل ہے عبادات کی انجام دہی اور گناہوں سے بچنے کیلئے یہ فائدہ مند امور میں سے ہے اور دنیا سے نکل جانے کے بعد اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس رجا کبھی منقطع ہونے والی چیز نہیں ہے، یہ آخرت میں بھی باقی ہے، کیونکہ بندہ، رحمت حق سے جتنا زیادہ مستفید ہوگا فضل حق کیلئے اس کی طمع بڑھتی ہی رہے گی، کیونکہ رحمت الٰہی کا خزانہ کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ پس (نتیجہ یہ نکلا کہ) خوف ختم ہونے والی اور رجا باقی رہنے والی چیز ہے۔[2]

محدث محقق مجلسیؒ فرماتے ہیں:

حق یہ ہے کہ بندہ جب تک دنیا میں رہتا ہے اس کیلئے خوف و رجا ضروری ہے، لیکن امور آخرت کے مشاہدے کے بعد کسی ایک کا دوسرے پر رجحان بہر حال پیدا ہو جاتا ہے۔[3]

راقم الحروف عرض کرتا ہے:

عالم آخرت میں خوف و رجا کے غلبے کے بارے میں علماء نے جو کچھ فرمایا وہ رجا کے ذکر کردہ معنی کے مطابق نہیں ہے اور اگر بالفرض صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کا تعلق متوسطین سے ہے، جن کا خوف و رجا

---

[1] احیاء علوم الدین، ج ۴، ص ۱۶۳۔ کتاب خوف و رجاء۔ اسرار الصلوٰۃ، (ملکی تبریزی)، ص ۱۶۳، ۱۶۴۔

[2] مراۃ العقول، ج ۸، ص ۳۲۲، کتاب ایمان و کفر۔ علامہ مجلسیؒ نے اس کلام کو بعض راویوں سے نقل کیا ہے۔

[3] مراۃ العقول، ج ۸، ص ۳۲۲، کتاب ایمان و کفر، باب خوف و رجاء، حدیث ۱۔

ثواب وعقاب کی بنا پر ہوتا ہے، لیکن خواص اور اولیاء کا حال اس کے ماسوا ہے، جس کا علماء نے ذکر کیا ہے، کیونکہ عظمت وجلال اور تجلی اسماء سے اور لطف و جمال کے مشاہدے سے قلب میں جو خوف ورجا پیدا ہوتا ہے وہ امور آخرت کو دیکھنے کے بعد بھی زائل نہیں ہوتا اور نہ ایک دوسرے پر ترجیح پیدا کرتا ہے، بلکہ آثار جلال وعظمت وتجلیات جمال ولطف، عالم آخرت میں زیادہ ہوتے ہے اور عظمتِ حق سے جو خوف لاحق ہوتا ہے وہ ایک روحانی لذت ہے جو آیہ مجیدہ: ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾[1]: (آگاہ ہوجاؤ! اولیائے خدا کو حزن وخوف نہیں ہوتا) کے منافی نہیں ہے۔ چنانچہ اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوجائے گا اور کسی قائل سے جو یہ نقل کیا گیا ہے کہ: ''خوف فضائل نفسانیہ میں سے نہیں ہے''، اس کا مطلب جلال وعظمت الٰہی کا خوف نہیں ہے، کیونکہ اس قسم کا خوف کمال ہوتا ہے اور کامل و مکمل لوگوں میں یہ دوسروں سے زیادہ پایا جاتا ہے۔

(اختتام حدیث چہاردہم)

(جاری ہے)

* * * * *

[1] سورۂ یونس، آیت ۶۲۔

تیسری شعبان

از: ڈاکٹر پیام اعظمی

عید ہے توریت کی، انجیل کی، قرآن کی
عید ہے مقدادؓ کی، عمارؓ کی، سلمانؓ کی
عید ہے ہردرد کے مارے ہوئے انسان کی
بڑھ گئی تیرہ رجب سے تیسری شعبان کی

وہ نبیؐ کی اور یہ کل انبیاءؑ کی عید ہے
وہ نجف کی عید تھی یہ کربلا کی عید ہے

ابر رحمت ہیں فضائے دہر پر چھائے ہوئے
جن و انساں اور ملک پھرتے ہیں اترائے ہوئے
سورۂ کوثر ادھر جبریلؑ ہیں لائے ہوئے
ہیں نبیؐ بیٹی کے آگے ہاتھ پھیلائے ہوئے

گود میں لے کر پیامِ جاوداں دینے لگے
کان میں بچے کی پیغمبرؐ اذاں دینے لگے

ہو مبارک زینت محراب و منبر آ گیا
ناخدا آیا کہ طوفانوں کو چکر آ گیا
نعرہ زن ہیں آیتیں قرآں کا جوہر آ گیا
مسجدیں خوش ہیں نمازوں کا مقدر آ گیا

حُسن کردارِ پیمبرؐ کا دوبالا ہو گیا
فاطمہؑ کے گھر سے کعبہ تک اُجالا ہو گیا

*****